۴۸ : سیرۃ المصطفیٰ (مولانا محمد ادریس کاندھلوی) ۔ ۱ / ۱۰۸ ' ۱۰۹

۴۹ : ایضاً

۵۰ : اردو نثر میں سیرت رسول ۔ ص : ۵۹۷

۵۱ : ایضاً ص : ۵۹۵

۵۲ : مولانا اشرف علی تھانوی ۔ نشر الطیب (طبع : تاج کمپنی کراچی) ص : ۲ ' ۳

۵۳ : ایضاً ۔ ص : ۴

۵۴ : نقش سیرت (مرتبہ نثار احمد) ۔ ص : ۴۷ ۔ بحوالہ : اردو نثر میں سیرت رسول ۔ ص : ۶۰۴ ۔

۵۵ : مولانا عبدالرؤف دانا پوری ۔ اصح السیر (طبع : کراچی) ۔ ص : ۴ (تعارفی کلمات) ۔

۵۶ : ایضاً ۔

۵۷ : ایضاً ۔ ص : ۵

مستشرقین کی کتب سیرت

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض

سیرت نگاری کے سلسلے میں اکثر مسیحی مستشرقین کا رویہ افسوس ناک ہے ۔ ان سے یہ توقع تو بیجا ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ مان لیں یا قرآن مجید کو کلام الٰہی۔ اس طرح تو وہ مسلمان ہو جاتے ہیں ۔ ان کے ہاں تفریق رسل یوں بھی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو منجی اور شفیع مان لینے کے بعد دوسرے انبیاء کو تسلیم کرنے یا ان کا احترام کرنے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں ۔ البتہ ان سے حق سنجی ' پاس شرافت اور تعصب سے احتراز کرنے کی توقع کی جا سکتی تھی جو کبھی خال خال ہی پوری ہوتی دکھائی دیتی ہے ۔ عام صورت حال یہ ہے کہ ان لوگوں کے متعصب قلم زہر آگیں ہیں ۔ رسول خدا کی سیرت پاک کو (نعوذ باللہ) داغدار بنانے کے لئے ان کے نزدیک ہر قیاس آرائی احسن اور ہر ضعیف روایت قوی دلیل ہے ۔ متاخر مصنفین اپنے پیشروؤں سے استفاد کرتے اور جان بوجھ کر احقاق حق سے چشم پوشی کرتے ہیں ۔ ان مسلمان قارئین پر رحم آتا ہے جو ان کی تحریروں پر اکتفا کر لیتے ہیں اور اس زعم میں مبتلا رہتے ہیں کہ انہوں نے حق اسلام ادا کر لیا ہے ۔

مستشرقین کے غیر منصفانہ رویے سے کئی مسلمان دانشوروں نے علمی تعرض کیا اور کریں گے ۔ اردو میں اس کام کا ایک نمونہ سید احمد خان مرحوم (م ۱۸۹۸ء) کے " خطبات احمدیہ" ہیں جو انہوں نے ولیم میور کی کتاب کے اعتراضات کی تردید میں لکھے ہیں ۔ جیسا کہ بیان ہو گا ولیم میور کی کتاب محذوف و مختصر ہو کر انگلستان میں تجدید طبع سے آراستہ ہوئی ہے ۔ مستشرقین آج تک اس کتاب سے استناد کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ ایک مختصر مقالے میں معترضین کے جوابات نہیں دئے جا سکتے ۔ ہم یہاں مستشرقین کی چند سیرت کے رجحانات پیش کرتے ہیں۔ گو بعض ضمنی اشارات بھی پیش کر دیئے گئے مگر یہ ان دریدہ دہنوں کا شافی جواب نہیں کہا جا سکتا۔

۱ - (WASHINGTON IRVING) کی دو جلدی کتاب MAHOMET AND HIS SUCCESSORS (مطبوعہ ۱۸۴۹ء ۱۸۵۰ء)

کتاب کا مصنف ایک امریکی مستشرق ہے۔ کتاب کی پہلی جلد عہد رسالت ماب سے متعلق ہے اور دوسری خلافت اسلامیہ کے بارے میں جو خلفائے راشدہ تا خلفائے اندلس کے دور کو محیط ہے۔ سردست ہمارا سروکار اس کی پہلی جلد سے ہے۔

کتاب کے مصنف نے ۱۸۲۶ء سے ۱۸۲۹ء تک کا عرصہ سپین میں گزارا۔ اس نے ہسپانوی زبان سیکھی اور اس کے منابع پڑھے۔ اس نے اسلام اور اندلس کے عہد اسلام کا خصوصی مطالعہ کیا۔ موجودہ کتاب کا مسودہ اس نے ۱۸۳۱ء میں تیار کیا اور اس کے بعد متعدد بار نظر ثانی کر کے اس کی جلد اول کو اس نے ۱۸۴۹ء میں اور دوسری جلد کو اس سے اگلے سال شائع کروایا (۱) کتاب کے منابع کا مختصر ذکر اس نے تمہید میں کردیا۔ اصل متن میں حوالے کمتر ملتے ہیں جبکہ حواشی اور توضیحات کی تعداد خاصی ہے۔

نبی اکرمؐ کے اس سفر شام کو مصنف نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے جو بارہ سال کی عمر سے مربوط بتایا جاتا ہے۔ وہاں آپ نے بحیرہ نام کے عیسائی راہب سے ملاقاتیں کیں جس نے مصنف کے زعم کے مطابق انہیں قدیم مذاہب کے بارے میں مفصل معلومات فراہم کیں۔ بحیرہ ان کے ذریعے ام القریٰ مکہ اور اس کے اطراف میں عیسائیت کی نشرواشاعت کی خاطر کوشاں تھا تاکہ یہودیوں کو نیچا دکھا سکے مگر بقول مصنف مسلمان خوش فہم مؤرخین دعویٰ کرتے ہیں کہ بحیرہ نے مہر نبوت دیکھ کر ۱۲ سالہ نوجوان کو اتنی اہمیت دی تھی۔ سفر شام کی راہ میں حضرت صالحؑ کی قوم ثمود کے کھنڈر اور خرابے واقع ہیں۔ مصنف کے بقول ان خرابوں کو دیکھ کر حضرت محمدؐ دہشت زدہ ہو گئے تھے۔ بعد میں انہوں نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ ان عذاب دیدہ علاقوں سے جلد جلد گزرا کریں اور مشہور کر دیا کہ ایسا وہ بحکم خدا کہہ رہے ہیں۔

مصنف نے رسول اللہؐ اور حضرت خدیجہؓ کی شادی کے واقعہ کو بہت رنگینی دی ہے۔ اس کے بقول حضرت خدیجہؓ جو دوبار بیوہ ہو کر اب ۴۰ سالہ ہو چکی تھیں، اس ۲۵ سالہ جوان کے حسن وجوانی پر فریفتہ ہوگئیں۔ پہلے انہیں مروجہ معاوضے سے دوچند پر امور تجارت سونپے گئے پھر انہیں پیغام عقد بھیجا گیا۔ مصنف حضرت محمدؐ کے صدق اور امانت کا ذکر نہیں کرتا۔ حضرت خدیجہؓ کے عم زاد ورقہ بن نوفل کو وہ عبرانی کتب کا عربی مترجم بتاتا ہے۔ ورقہ اس عقد کا حامی تھا۔ شادی

کے موقع پر بڑی رنگ رلیاں منائی گئیں اور دلہا کی دائی بی بی سعدیہ حلیمہ کو عمدہ تحائف دیئے گئے ۔ مصنف کے نزدیک اسلام ایک پر اسرار دین ہے۔ اس دین میں حضرت ابراہیمؑ سے خاص اعتنا کیا گیا ہے کیونکہ رسول اکرم حضرت محمدؐ حضرت اسماعیلؑ کے ذریعے شجرہ نسب میں ان سے جا ملتے ہیں ۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کو ملت اسلامیہ کا باپ (۲) کہا گیا ہے مگر مصنف کو اپنے حسب حال نسلی تعلقات سے بہت دلچسپی ہے۔

دیگر مستشرقین کی طرح اس مصنف کو بھی رسولؐ اللہ کی شادیوں سے بڑی دلچسپی رہی ہے ۔ لکھتا ہے کہ پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کے ان پر احسانات تھے اس لئے ان کے حین حیات ۵۰ سال کی عمر کو پہنچنے تک حضرت محمدؐ نے دوسرا عقد نہ کیا ۔ البتہ اپنی زندگی کے آخری ۱۳ سالوں میں انہوں نے درجن سے زیادہ عقد کئے ۔ مصنف نے زیادہ زور پیغمبر کے حسن پرست ہونے پر دیا ہے ۔ حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کی طلاق ' اور اس متبنی رسول کی مطلقہ بیوی سے خود رسول کا عقد کر لینا قرآن مجید میں تفصیل سے مذکور ہے (۳) مگر اس مصنف یا دیگر مستشرقین کی نظر میں قرآن ' اقوال محمدؐ کا مجموعہ ہے (نعوذ باللہ)۔ لہذا مصنف اس عقد کو بھی پیغمبر کی حسن پرستی سے مربوط کرتا ہے ۔مصنف پیغمبر کی رشتہ داریوں کو سیاسی مصلحتوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔

۸ ہجری میں غزوہ موتہ پیش آیا جس میں حضرت جعفرؓ طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت سے قبل حضرت زیدؓ سپہ سالار تھے ۔ ان تینوں سالاروں کی شہادت کے بعد سیف اللہ حضرت خالدؓ بن ولید نے قیادت سنبھالی اور فتح حاصل کی۔

مصنف لکھتا ہے کہ حضرت محمدؐ نے حضرت زید کو اس لئے قائد عساکر بنایا کیونکہ انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے کر پیغمبر کو بہت خوش کر رکھا تھا (۴)

مصنف کو جنات کے وجود سے انکار ہے ۔ اس کے خیال میں صحرائی اور کم آبادی والے علاقوں کے لوگ ان کے وجود کے قائل ہو جاتے ہیں ۔ "اسراء" اور "معراج" کے واقعات کو اس نے خاصی تفصیل سے لکھا ۔ بیت المعمور کے مقام کے بارے میں یہ روایت بھی مصنف نے نقل کی ہے کہ وہاں حضرت جبرائیلؑ نے رسولؐ خدا کو شراب ' شہد اور دودھ بھرے تین پیالے پیش کئے ۔ حضرت رسول نے دودھ کے پیالے کا انتخاب کیا ۔ مصنف لکھتا ہے کہ اگر وہ شراب کا

انتخاب کر لیتے تو ان کے جملہ پیرو گمراہ ہو جاتے ۔ شراب کی گمراہ ساز خاصیت کا یہ ذکر غنیمت نظر آیا۔ البتہ اسراء اور معراج کے واقعات کو مصنف وہم وگمان کی کرشمہ سازیاں بتاتا ہے۔

مصنف کو غزوات رسولؐ پر اعتراض ہے ۔ لکھتا ہے کہ مدینہ میں پیغمبر کا رویہ سخت تر ہو گیا تھا ۔ انہوں نے یہودیوں سے دشمنی کی بنا پر اپنا کعبہ تک بدل دیا ۔ حضرت سعدؓ بن معاذ سے فیصلہ لے کر بنی قریظہ کو بے دردی سے قتل کروادیا گیا ۔ مصنف یہ غیر معقول بات بھی لکھتا ہے کہ پیغمبر اپنی بقائے نسل کی خاطر شادیاں رچاتے رہے مگر رجال کی ابوت انہیں نہ مل سکی ۔ مصنف جس نعمت کے لئے پیغمبر کو مضطرب بتاتا ہے ' قرآن مجید انہیں اس سے مبرا اور بے نیاز(۵) بتاتا ہے ۔ خدا کے نزدیک منقطع نسل وہ ہے جس نے اس پیغمبر سے دشمنی اختیار کر رکھی ہو(۶) ۔ مصنف دین ودنیا کے افتراق کا قائل ہے۔ وہ قرآن مجید کی مکی سورتوں کو دینی منصوبے بتاتا ہے اور مدنی سورتوں کو دنیوی امور ۔ وہ لکھتا ہے کہ ہجرت اور جنگیں شان نبوت سے میل نہیں کھاتیں۔ پیغمبرنے دنیوی اقتدار کی خاطر یہ کام کئے ہیں ۔ جنگوں نے مسلمانوں کو دولت وثروت سے مالا مال کیا مگر ان کی دینداری اس طرح مجروح ہو گئی ۔ مصنف نے جہاں موقع دیکھا' اپنا خبث باطن ظاہر کیا ۔ وہ ان معجزات کا استہزا کرتا ہے جو مسلمانوں نے اپنے پیغمبر سے منسوب کئے ۔ اس نے لکھا کہ حضرت محمدؐ قرآن کو ہی اپنا معجزہ بتاتے رہے مگر اس کی بیشتر تعلیمات بھی عیسائیت سے ماخوذ و مستخرج ہیں ۔ اس ضمن میں وہ جزا وسزا کے چند امور کا ذکر کرتا ہے مگر قرآن مجید تو ادیان سابق کی ان تعلیمات کا مصدق ہے۔

یوں تو اس کتاب کے کئی موضوعات زہر آلود اور تعصب آمیز ہیں 'مگر تعدد ازدواج سے اظہار نفرت کرنے اور اس ربط کے شاخ وبرگ نکالنے سے مصنف کی خصوصی رغبت دکھائی دیتی ہے ۔ وہ قرآن مجید کی ان آیات کی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں ازدواج کے سلسلے میں پیغمبر اکرمؐ کو ' عام مسلمانوں سے مستزاد ' خصوصی مراعات اور اجازت ملی ہے (۷) ۔وہ اس گمان میں مبتلا ہے کہ حضرت محمدؐ نے یہ سب کچھ اپنی خاطر کیا ہے ۔ فتح مکہ کے موقع پر عکرمہ بن ابو جہل اسلام لائے مگر بعد وہ کشتی میں سوار ہو کر یمن فرار کرنے لگے ۔ اس وقت ان کی جوان اور خوبصورت بیوی عالم اضطراب میں بے پردہ اور پریشاں حال نبی اکرم کی خدمت میں پہنچی کہ اس کے شوہر کی مناسب دلجوئی کی جائے اور انہیں ایسی امان دی جائے کہ وہ فرار نہ کریں ۔ مصنف یہاں بھی اپنی

زشت سرشت کی بنا پر لکھتا ہے کہ پیغمبر نے زوجہ عکرمہ کے غم سے نہیں بلکہ اس کے حسن سے متاثر ہو کر اس کی درخواست قبول کی ۔ عکرمہ کشتی پر سوار ہونے والے تھے کہ انہیں لوٹایا گیا اور پیغمبرؐ نے انہیں اور ان سے زیادہ ان کی بیوی کو تحائف وہدایا سے نوازا تھا ۔

مصنف سیرت پیغمبرؐ کو مرموز اور اسرار آمیز قرار دیتا ہے ۔ اس کے نزدیک پیغمبر بدلتے ہوئے حالات میں خود کو بدلتے رہے حالانکہ صحیح صورت حال یہ ہے کہ پیغمبر نے مسیر ایام کو بدلا تھا ۔ ہم بطور نمونہ اس کے چند جملوں کا ترجمہ دیتے ہیں : " پیغمبر نے عسکری حکمت عملی سے نہیں بلکہ اپنے پیروں میں جنگی جنون پھونک دینے سے کامیابیاں حاصل کیں ۔ انہوں نے ایسا ہی تصور تقدیر سکھایا تھا ۔ بطور پیغمبر' حضرت محمدؐ نے ورقہ بن نوفل کی سکھائی گئی الہامی باتوں سے کام لیا ۔ ان کی فتوحات (حضرت) عمرؓ اور (حضرت) خالدؓ کی آتشناک شخصیتوں کی قوت خواہی کی موہون منت تھیں ۔ جہاں ضرورت پڑی انہوں نے بطور پیغمبر فوق فطرت اور خارق العادہ باتوں کا سہارا لیا اور حیلہ تراشیوں اور بہانہ سازیوں کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کر لئے" (صفحہ ۳۴۳)

کتاب میں تعلیمات اسلام کو "آورد" بتایا گیا ہے (جیسے نماز کو صابیوں اور یہودیوں کے حوالے سے) یا جارحانہ (جیسے جہاد)۔

۲۔ P DE LACY JOHNSTONE کی کتاب MUHAMMAD AND HIS POWER مطبوعہ اڈنبرا' انگلستان ۔

یہ کتاب ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی ۔ کتاب کے کل ۱۵ ابواب ہیں جن میں چوتھے سے تیرھویں باب تک حیات وسیرت رسول کا ذکر ہے ۔ کتاب کی ابتدا میں حیات رسول کے اہم واقعات کی سنین درج کی گئی ہیں اور آخری دو ابواب اور تین ضمائم بعض ضمنی موضوعات کی محیط ہیں جیسے قرآن کا ادبی اسلوب' مسلمانوں کے اہم عقائد ' روز جزا اور دوزخ وجنت اور تعلیمات اسلام کا یہودیت اور عیسائیت سے موازنہ وغیرہ۔

یہ کتاب بھی خاصی تعصب آمیز اور خصومت خیز ہے ۔ اس کے مصنف نے بھی نبی اکرم کو مریض ثابت کرنے کا زور لگایا ۔ وہ پہلی وحی کے واقعہ کو (نعوذ باللہ) پیغمبر پر پہلا دورہ پڑنا قرار دیتا ہے۔ اس نے دوران طفولیت حضرت محمدؐ کے سینے کے چاک کئے جانے کے واقعہ کو بیان کیا مگر

اسے ناقابل یقین قرار دیا ۔ وہ لکھتا ہے کہ اس عصر میں کوئی شخص بت پرستی سے اجتناب نہ کر سکتا تھا چنانچہ پیغمبر نے اپنی بعثت کے دس سال بعد تک بت پرستی کی کھل کر مخالفت نہ کی 'گو وہ اس کام کے انجام دیئے جانے پر آزردہ خاطر ضرور تھے ۔ مگر رسولؐ خدا نے بت پرستی کی مذمت ابتدا سے انتہا تک ہر موقع پر کی لہذا مصنف کا یہ بیان کس قدر خلاف حقیقت ہے ۔ عداوت وکدورت شدید کے زیر اثر وہ ولیم میور کا قول نقل کرتا ہے کہ کاش حضرت محمد اس نئے مذہب کے بجائے عیسائیت کے لئے ہی کام کرتے ۔ اس طرح ایک دین کم رہتا اور آپ مذہب مسیح کے ایک "سینٹ" بن جاتے ۔ مستشرقین کے مبلغ دانش اور بغض دروں دیکھنے کے لئے یہ ضمنی بات یہاں نقل کرنی پڑی ! ورنہ ایک دین یا پیغمبر کے کم رہ جانے اور ایک مسیحی سینٹ کے بڑھنے میں کیا ربط ہے !

مصنف دین اسلام کو یہودیت وعیسائیت سے ماخوذ اور ذہن پیغمبرؐ کی اختراع قرار دیتا ہے ۔ اسے رسول اللہ کے امی یا غیرامی ہونے سے سروکار نہیں۔ اس کا موقف یہ ہے کہ انہوں نے سب معلومات خارجی ذرائع سے حاصل کی تھیں۔ عتبہ بن ربیعہ قریش کے برادر خرد جب مسلمان ہو گئے' تو اس نے صحن کعبہ میں پیغمبر سے مفصل گفتگو کی اور ان کے موقف اور ہدف کو جاننے کی کوشش کی۔ رسولؐ اللہ نے اپنی طرف سے وضاحت کے بجائے اس موقع پر سورۃ حم السجدہ (۴۱) کی آیات تلاوت کیں (۸) عتبہ ان آیات مبارکہ کے موضوع سے بہت متاثر ہوا ۔ قریش کو اس کی گفتگو کا علم تھا اور انہوں نے اس سے نتائج بحث کا پوچھا ۔ وہ یوں گویا ہوا کہ "حضرت محمدؐ نے جو کلام پڑھا وہ انسان کے کلام سے ممتاز اور غیرمعمولی موثر ہے ۔ وہ شاعری سے ماوراء و برتر ہے اور شان نبوت کا مظہر ہے ۔ لہذا بہتر ہے کہ ہم ان سے متعرض رہنے کے رویے پر نظر ثانی کریں اور ان کی بات مان لیں" مگر قریش اتنی جلد بات کہاں ماننے والے تھے۔ البتہ عتبہ کی گفتگو سے عیاں ہے کہ کلام الہی کس قدر موثر ہے اور پیغمبر آیات الہی کس طرح پیش فرماتے تھے ۔ جان سٹون اس واقعہ کو نقل کر کے احقاق حق کے قرطاس کو یہ لکھ کر دھو ڈالتا ہے کہ یہ سب پیغمبر کی ذہانت اور موقع و محل سے سوء استفادہ کرنے کا ایک کرشمہ تھا!

پیغمبر کے تعدد ازدواج کے ذکر سے جان سٹون کیسے غافل رہ سکتا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے عقد کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ ان کے والد اس کام کے مخالف تھے مگر شادی والے دن انہیں

اس قدر شراب پلائی گئی کہ وہ حالت نشہ میں بے خبر رہے اورانہیں بعد میں معلوم ہوا کہ عقد ہو چکا۔ پیغمبرؐ خدا (نعوذ باللہ) کے فریفتہ حسن ہونے کا وہ بھی ذکر کرتا ہے ۔ حضرت زینب کو حضرت زید سے طلاق دلوائے جانے کا وہ بھی ذکر کرتا ہے ۔ وہ لکھتا کہ پیغمبر نے نکاح پر نکاح کیے اور ان کے جواز کے بارے میں خدا سے منسوب کر کے احکام بیان کر دیے ۔ ازدواج رسولؐ حسد اور رقابت کی بنا پر پیغمبر کے لئے مشکلات پیدا کررہی تھیں ۔ آپ نے خدائی احکام کے بہانے انہیں انجام بد سے ڈرا کر حالات سازگار کر لئے تھے۔ یہ (نعوذ باللہ) خدائی اوامر کا استحصال تھا ۔ آپ نے کوشش کی کہ عورتیں بہر صورت مردوں کی دست نگر ہی رہیں۔

مصنف گستاخی کرتا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ حضرت محمدؐ سے دوستی نباہتے رہے اور وحی کو توڑ مروڑ کر لاتے رہے ۔ پیغمبر کی مزعومہ وحی میں شیاطین بھی دخل اندازی کر لیتے تھے ۔ چنانچہ اسراء اور اس کے بعد معراج کے واقعہ کے سلسلے میں سورہ نجم (۵۳) کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں ۔

پیغمبر یہ آیات پڑھ رہے تھے کہ سننے والے شیاطین الس وجان نے شوروغوغا برپا کر کے یہ جملے بھی درانداز کر دیے کہ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی پیغمبرؐ نے متوجہ ہوکر ان غیرقرآنی جملوں کو وحی میں لکھنے کی تاکید فرمائی۔ مصنف نے اس واقعہ کو بڑی آب و تاب سے لکھا ہے۔ بادشاہ حبشہ نجاشی اصحمی نے مسلمان مہاجرین کی دل کھول کرخاطرمدارات کی تھی ۔ اہل یثرب کی ایک معتدبہ تعداد نے مکہ مکرمہ جا کر رسولؐ خدا کے ہاتھ پر دوبار اجتماعی بیعت کی تھی کہ وہ وہاں ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی بھرپور اعانت اور رسول اللہ کے احکام کی مکمل اطاعت کریں گے ۔ یہ بیعتیں عقبہ اول اور عقبہ ثانی کے عنوان سے بیان کی جاتی ہیں کیونکہ رسول اللہ اس وقت کے حالات کے پیش نظرؑ مسلمانان یثرب سے خفیہ طریقے سے بیرون شہر ملاقاتیں کرتے تھے۔ اہل یثرب اس وقت اوس اور خزرج نام کے قبائل اور یہودیوں کی برتری دکھانے کی کوششوں سے دل تنگ تھے۔ یوں بھی انہیں دین اسلام کے قوی ہونے سے دلچسپی تھی ۔ مصنف کا بغض باطن دیکھیں کہ وہ نجاشی اور مدینہ والوں کی حمایت مسلمین کو بچگانہ حرکات قرار دیتا ہے۔ وہ ولیم میور کے اس تصور سے متفق ہے کہ مدنی احکام (یعنی مدنی آیات اور سورتیں) رسولؐ اللہ جارحانہ اور خشن تعلیمات کی مظہرہیں جبکہ مکہ میں نرم اخلاق ودین کی تعلیم دی جاتی رہی تھی، جو

مکی سورتوں میں مشہور ہے۔

اسراء اور معراج کے واقعات کو بھی مصنف نے بیان کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ واقعات معراج یہودی اور عیسائی روایات پر مبنی ہیں۔ ان مذاہب میں عوالم بالا اور بہشت و دوزخ وغیرہ کے بارے میں جو تفاصیل ملتی ہیں، پیغمبر اسلام نے انہیں واقعاتی صورتوں سے مربوط کیا اور معراج کا یہی حصہ مصنف کے نزدیک دلآویز ہے۔ باقی اضافے خشک اور پھیکے ہیں۔ مصنف کا یہ بے حوالہ وسند بیان صرف خبث باطن دکھاتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اسراء و معراج نادر واقعات کے آئینہ دار ہیں۔ مسیحی ادبا و شعراء نے مسلمانوں کی کتب سے ان واقعات کا تاثر لیا ہے جیسے دانتے الیغیری اطالوی نے "ڈیوائن کمیڈی" کو شیخ اکبر ابن عربی کی تصانیف کے زیر اثر لکھا ہے اور ساتویں صدی ہجری کے ایک زرتشتی رہنما نے بھی اس اسلوب میں کتاب "ارداویراف نامہ" لکھی۔ (۱۰)

مصنف نے یہودیوں کے قبیلے بنی قریظہ کے قتل کئے جانے کے واقعہ کو بڑی دردمندی سے لکھا۔ وہ ولیم میور کی تقلید میں بنی قریظہ کے ساتھ مسلمانوں کے کسی معاہدہ ہونے کا منکر ہے۔ اس کے نزدیک یہودیوں کے اس قبیلے نے غزوہ احزاب کے دوران مسلمانوں کی مدد نہ کی اور بعد میں ان کے غیظ وغضب کا نشانہ بنے۔ انہیں قتل کیا گیا اور ان کے مال ومتاع کو مال غنیمت کے طور پر بانٹ لیا گیا۔ ریحانہ نام کی ایک یہودی خاتون کو زبردستی حرم نبویؐ میں داخل کئے جانے کی ایک اضعف روایت ملتی ہے۔ ثقہ مسلمان سیرت نگار اس کی تردید کرتے رہے۔ مصنف نے اسے نہایت تفصیل سے لکھا اور مسلم معاشرے کے جبرواکراہ کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔ قرآن مجید میں دو ازواج رسول کی سرگوشی کا ذکر ہے جس کے بارے میں وحی الٰہی نے رسول اللہ کو مطلع کر دیا تھا اور اس واقعہ کی تفصیل احادیث اور تفاسیر میں موجود ہے (۱۱)۔ مصنف اس معاملے میں بار بار معترض ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے ذاتی معاملات کو "دساتیر قرآنی" میں کیوں شامل کرتے رہے؟ قرآن مجید میں اس قسم کے جملہ امور پر مصنف بار بار معترض ہوتا ہے۔ غنیمت ہے کہ وہ بحیثیت مجموعی پیغمبر اسلامؐ کے حسن کردار کا معترف ہے، البتہ وہ ان کی نبوت اور قرآن حکیم کے کلام اللہ ہونے کے بطلان کے ذکر سے تھکتا نہیں۔

قرآن مجید پر اس نے کئی اعتراضات کئے ہیں۔ چند امور اس طرح ہیں۔ یہ کتاب مختلف

اشیاء پر لکھی جاتی رہی اور کئی لوگ اس کے ازبر کر لینے کے مدعی تھے۔ اسے سالہاسال بعد جمع وتدوین کیا گیا لہذا متن بدل جانے کا احتمال ہے ۔ اس کی ۲۹ سورتوں کی ابتدا میں "بے معنی" حروف قطعات کیوں ہیں ؟ اس میں وقتی وقائع او پیغمبر کی ذات سے مربوط احوال کیوں وارد ہوئے ہیں۔ ؟

مصنف لکھتا ہے کہ قرآن ضخامت میں عہد نامہ جدید کا کوئی ۲/۳ حصہ ہے۔ اس کی مکی اور مدنی سورتوں کا انداز متفاوت ہے۔ اس میں دوزخ اور سزاؤں کا ذکر ہیبت ناک ہے جبکہ بہشت اور اس کی نعمتوں کا ذکر حرص آمیز ہے۔ عبادات اسلامی کا ذکر مصنف نے بے تبصرہ کیا ہے ۔ مسلمانوں کی سیاست نیز اسلام اور عیسائیت کے موازنے کے سلسلے میں بھی مصنف نے اسلام کے خلاف دل ہلکا کیا ہے۔ اس کے نزدیک اسلامی سیاست "گھر میں استبداد ہے اور بیرون خانہ جارحیت"۔ مسلمان حاکم اپنے لوگوں کو دبائے رکھتے ہیں اور بیرون ملک جارحیت کے لئے تیار رہتے ہیں جبکہ عیسائیت نرمی اور رافت سکھاتی ہے: "خدائی ابوت کا قائل دین مسیحی عالمی اخوت کا پیغام دیتا ہے ۔ اسلام کی تعلیم اخوت اپنے پیروؤں تک محدود ہے"۔ مصنف مدعی ہے کہ دین مسیحی نے عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش کھڑا کیا ہے جبکہ اسلام صنف نازک کو پس منظر میں رکھتا رہا ہے۔ اس کتاب میں "بنیاد پرستی" والی آج کل کی متداول بات بھی ملتی ہے۔ مصنف کہتا ہے کہ مسلمانوں کا اصلی اسلام کی طرف رجوع کرنا ایک رجعت بد ہے جس سے سختی اور خشونت عود آتی ہے۔ ۱۹۹۱ء کے سیاق میں مصنف ایران، ترکی اور مراکش کی مثال دیتا ہے جہاں رجعت الاسلام کا عمل جاری تھا۔(۴۲)

۳۔ JOHN DAVEN PORT کی تالیف

AN APOLOGY FOR MUHAMMAD AND THE KOR·AN.

انیسویں صدی عیسوی کے اواسط کی کتاب ہے اور یہ ان مستثنیات میں سے ہے جو سیرت رسولؐ اور قرآن مجید کی تعلیمات کے دفاع سے لکھی گئی ہیں۔ سید احمد خان نے اس جرات مند انگریز مستشرق کی داد دی تھی جس نے غیرمنصف اور دریدہ دھن مغربی مصنفین کے تعصب کی قلعی کھولی اور بے جا انتقادات کا خاطر خواہ جواب دیا ہے۔ (۴۳) مصنف کے بیانات خاصے معتدلانہ

ہیں۔ البتہ مصنف اعتراضات زیادہ نقل کرتا اور جوابات مختصر اور نا تمام لکھتا ہے۔

اس متوسط ضخامت کی کتاب کے چار حصے ہیں : حصہ اول زندگی رسول کے بارے میں ہے جس کے تین ابواب ہیں۔ حصہ دوم کے دو ابواب ہیں جو قرآن مجید کے بارے میں ہیں ۔ ان حصوں میں صاحب قرآن اور قرآن مجید کے بارے میں اعتراضات نقل کئے گئے ہیں ۔ حصہ سوم کا ایک ہی باب ہے جس میں اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں ۔ حصہ چہارم بھی ایک ہی باب پر مشتمل ہے اور اس میں محاسن قرآن کا بیان ہے ۔

اپنے متوازن نقطہ نظر کے باوجود مسیحیت مصنف کے شرح صدر میں مانع ہے ۔ چنانچہ وہ تمہید میں رسول اللہ کو عالمی عظیم شخصیت قرار نہیں دیتا بلکہ وہ ان کا دائرہ عمل بر اعظم ایشیا تک محدود مانتا ہے ۔ پھر بھی وہ حصہ اول کے باب یکم کا آغاز اس اعتراف کے ساتھ کرتا ہے کہ حضرت محمدؐ کی زندگی کے جس قدر مفصل اور مستند واقعات دست یاب ہیں ان میں کوئی دوسرا مقنن یا فاتح ان کا ہم پلہ نہیں ۔

مصنف ارنسٹ رینان کے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ حضرت محمدؐ حضرت موسیٰؑ کی طرح عملی انسان تھے ۔ انہوں نے شبانی (گلہ بانی) اور تجارت کے ذریعے عملی تربیت حاصل کی تھی ۔ پیغمبر اسلام کی عمر ان کے عقد اول کرنے کے وقت ۲۵ سال بتائی جاتی ہے ۔ اس مصنف نے ۲۸ سال لکھی ہے ۔ وہ مدعی ہے کہ رسول اسلام غار حرا میں عبادت اور تفکر انجام دینے کے علاوہ آسمانی صحائف اور انجیل پڑھا کرتے تھے۔ اس کام کی تفصیل کے بارے میں وہ سکوت اختیار کرتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ عبادات اور مراقبات کے نتیجے میں مستقبل کے پیغمبر کو جو روحانی خواب نظر آتے تھے ' مخالفین نے انہیں ذہنی امراض قرار دیا ہے۔

مصنف لکھتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کی امانت وصداقت پر توجہ مبذول کرنا ضروری ہے ۔ انسان کو اس کے گھر والے اور احباب وہم نشیں دوسروں سے بہتر جانتے پہچانتے ہیں ۔ آپ کے دعوی نبوت کی گھر والوں اور حلقہ احباب نے فوراً تصدیق کی ۔ دوسروں کا پندار اور خاندانی غرور مانع رہا۔ ورنہ ان کے لئے بھی حقیقت حال جاننا مشکل نہ تھا پیغمبر کی دعوت و تبلیغ کا یہ پہلو کتنا خوش آئند تھا کہ آپ نے معجزات ' کرامات یا توہمات کا سہارا لینے کے بجائے لوگوں کی

عقل وشعور کو خطاب کیا ۔ مصنف نے اسراء اور معراج کے واقعات بھی لکھے ۔ اس نے اس معاملے میں اختلافی آراء پیش کی ہیں کہ یہ خواب کا واقعہ روحانی یا عالم بیداری کا سفر تھا ؟ وہ دوسری صورت کی تائید کرتا ہے کیونکہ رسول خدا نے اس واقعہ کے جسمانی ہونے سے انکار نہیں فرمایا تھا۔

مصنف نے رسول خداؐ اور صحابہ کرامؓ کی مکہ مکرمہ کی صعوبتوں کا ذکر کیا اور یثرب کی طرف ہجرت کرنے کا جواز بتایا ۔ مدینہ الرسول میں اسلام کو عملی طور پر نافذ کیا گیا ۔ لوگ اسے دنیوی پہلو بتاتے ہیں ۔ مگر غزوات سرایا اور معاہدوں اور میثاقوں سے تمسک کئے بغیر اسلام ایک مجموعہ مواعظ و اخلاقیات ہی رہتا۔ مصنف مخالفین اور معاندین کے افسوس ناک رویے کا ذکر کرتا ہے۔ یہ لوگ پیغمبر کے عصر میں منافقین کے روپ میں تھے اور اب مستشرقین وغیرہم کی صورت میں ہیں ۔ تاریخ انبیاء کا یہ پہلو قابل توجہ ہے کہ حضرت محمدؐ کے بارے میں خدا نے از خود مسلمانوں کو آداب احترام سکھائے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے واقعہ افک متبنی رسول حضرت زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینبؓ سے پیغمبرؐ کے عقد کرنے اور ازواج پیغمبر کی اصلاح احوال کی تلقینات وغیرہ قرآن حکیم میں شامل فرمائی ہیں۔ مصنف ان واقعات پر انتقاد کرنے والوں کی مذمت کرتا ہے۔ اس کے نزدیک پیغمبر کے نجی واقعات کا قرآن میں مذکور ہونا باعث استعجاب نہیں ہونا چاہئے۔

کتاب میں غزوات اور سرایا کا بیان عادلانہ ہے ۔ مصنف نے فتح مکہ اور غزوہ حنین کو عمدگی سے لکھا ۔ اس غزوے کے بارے میں اس کا یہ تجزیہ قابل توجہ ہے کہ پیغمبر کی خداداد ذاتی شہامت اور شجاعت نے اس میں مسلمانوں کی شکست کو فتح سے بدل دیا ۔ پھر مال غنیمت کی تقسیم کے مسئلے کو پیغمبرؐ نے اس شاندار حکمت عملی کے ساتھ حل کیا کہ اہالی مکہ ویثرب دونوں مطمئن ہو گئے ۔ غزوہ حنین کی فتح کے موقع پر ۶ ہزار افراد قید ہوئے ۔ مال غنیمت میں ۲۸ ہزار گھوڑے ' چار ہزار گھوڑوں کا ساز سواری اور کچھ نقد سرمایہ ہاتھ لگا تھا مگر رسول خدا نے قیدی آزاد کر دئے اور مال غنیمت بھی واگذار کر دیا تھا ۔ مصنف توجہ دلاتا ہے کہ مخالفین پیغمبر کی اس فیاضی اور نرمی ورافت پر توجہ کریں ۔ مکہ کی فتح کے بعد پیغمبر کے پاس غیر معمولی قوت تھی مگر ان کی نرمی اور حلیمی کا وہی سابقہ عالم رہا ۔ انہوں نے ابلاغ حق کا کام جاری رکھا مگر جبرواکراہ سے کسی کو مسلمان

نہ بتایا ۔ آنحضرت کی نرینہ اولاد میں قاسم اور ابراہیم کا ذکر سب ہی سیرت نگاروں نے کیا ہے ۔ یہ دونوں مختصر زندگی کے بعد فوت ہو گئے تھے ۔ قاسم حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور رسول اللہ کی پہلی اولاد تھے جبکہ ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے آخری اولاد کے طورر پر پیدا ہوئے اور ۱۷یا ۱۸ ماہ کی عمر میں انتقال کر گئے ۔ مصنف ان کی وفات کے موقع پر پیغمبر کے عمل کو ایک شعار نبوت قرار دیتا ہے ۔ عرب معتقد تھے کہ کسی اہم شخصیت کی موت پر چاند گرہن ہو جاتا ہے ۔ فرزند رسولؐ کے ارتحال کے موقع پر اتفاقاً" سورج گرہن واقع ہوا ۔ رسول خدا نے چہ میگوئیاں سنیں کہ اس سورج گرہن کا ان کے فرزند کے انتقال کے ساتھ تعلق بتایا جاتا ہے۔ آپؐ نے مسلمانوں کی ایک جمیعت کے سامنے اس بات کی تردید فرمائی ۔ آپؐ نے فرمایا کہ سورج اور چاند اور ان کے گرھن شعائراللہ ہیں ۔ کسی کے پیدا ہونے یا مرنے سے ان کا کوئی تعلق نہیں ۔ مصنف نے ایک بار رسول اللہ کی شادیوں کے سلسلے میں استفہامیہ انداز میں لکھا ہے کہ یہ غالباً" نرینہ اولاد کے ذریعے بقائے نسل کی آرزو تھی مگر اس سلسلے میں اس نے زیادہ دلچسپی نہیں دکھائی۔

رسول اللہ کے مرض موت میں وہ یہودی عورت کے دیئے ہوئے زہر کے سرایت کرنے کو موثر قرار دیتا ہے ۔ مسلمان خدا کے حسب الامر دین اسلام کا ابلاغ کرتے رہے مگر جن لوگوں کو پیغام دیا جاتا ' وہ جارحیت کے لئے تیار ہوجاتے اور مسلمانوں کو بھی اصلاحی یا دفاعی جہاد کے لئے آمادہ ہونا پڑتا ۔ مسلمانوں کی جنگوں اور ان کی فتوحات کے اسباب یہی تھے مگر مستشرقین از انجملہ یہ مصنف ان نکات کو نہیں سمجھ سکے اور یہی رٹ لگاتے رہے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ زندگی رسولؐ کے واقعات ختم کرتے ہوئے مصنف نے کلاسیکی نعت نبویؐ کے ایک طویل اقتباس کو نقل کیا ہے۔ یہ امام شرف الدین بوصیری مصری کی نعت "بردہ شریف" کا اقتباس ہے۔ یہاں ایک حاشیے میں حضرت عمرؓ کے خلاف یہ الزام دہرایا گیا ہے کہ انہوں نے یروشلم کے "سینٹ صوفیہ" کی بے حرمتی کی تھی ۔ رسول اللہ کے لائے ہوئے دین غالب کے ذکر میں اس نے دیگر مذاہب وادیان کا تقابلی حوالہ دیا ہے کہ زرتشیت ' ہندومت ' بدھ مت ' یہودیت اور عیسائیت وغیرہ میں سے بعض پس منظر میں محدود ہو گئے اور بعض اپنے حلقہ اثر سے نکل گئے مگر اسلام توسیع پذیر رہا۔ سیرت رسولؐ کے سلسلے میں وہ تھامس کارلائل کا ایک اقتباس نقل کرتا ہے

جس کا ترجمہ یوں ہوگا :

"حضرت محمدؐ صحرا کی وسعت کا سا دل رکھتے تھے ۔ ان کی سیاہ براق آنکھیں اور روشن اجتماعیت پسند اور عمیق روح جذبے کی ہی سنجیدہ عمل کی غماز تھی ۔ وہ ایک ساکت مگر عظیم روح کے حامل تھے۔ فطرت نے انہیں خلوص سے نوازا تھا ۔ وہ لوگوں کے وضع کردہ اور اقوال پر قانع نہ تھے ۔ ان کی روح منفرد تھی جسے حقائق کی تلاش تھی ۔ زندگی کے اسرار ورموز اور فطرت کا رعب وشکوہ ان پر آشکار تھا ۔ انہیں خود آگاہی حاصل تھی ۔ اسے الہامی صدق وخلوص ہی کہیں گے۔ ایسی شخصیت کی صدا ' قلب فطرت کی ندا تھی ۔ کوئی سنے یا نہ سنے ' اس کی گونج نے کام کرنا تھا ۔ اس شخصیت کا وجود سفر وحضر کے مشاہدات اور حوادث کا مخزن تھا ۔ انہیں اپنے وجود اور اس وسیع کائنات کی حقیقت سے آگاہی تھی ۔ زندگی کیا ہے اور موت کیا ؟ میرا ایمان کیا ہے اور مجھے کرنا کیا ہے ؟ ان سوالات کے جوابات سینا کے کوہ نے دیئے نہ حرا کی ریت نے ۔ ان کے جوابات متجلی قلب نے دینے تھے اور یہ کام خدائی الہام و وحی کے ذریعے قلب رسولؐ کے ذریعے عمل پذیر ہوا " (۱۴)۔

قرآن مجید کی تعلیمات اور اخلاقیات پر مصنف نے غنیمت لکھا ۔ پھر اس نے مسلمانوں کے سلاسل حکومت پر بحث کی ۔ اس کا مجموعی تاثر یہ ہے کہ مسلمان حکمران بالعموم عادل اور رفاہ عامہ کے کاموں پر معاصر یورپ والوں سے زیادہ متوجہ رہے ۔ وہ سپین کے اسلامی عہد کو بالخصوص سراہتا ہے ۔ اس نے مغربی قارئین کی خاطر یورپی بد نظمی کی تاریخ کو کوئی بیس صفحوں میں لکھا ہے۔

تیسرا باب مطبوعہ ۳۰ صفحوں پر مشتمل ہے اور اس میں مصنف نے پیغمبر اسلام کے خلاف لگائے جانے والے چار الزامات کی مدلل اور مستند طریقے سے تردید کی ہے:

۱ ۔ ایک الزام یہ ہے کہ دین اسلام کو پیغمبر نے از خود جعل کیا تھا ۔ مصنف لکھتا ہے کہ بغض وتعصب کی بناء پر ایسے الزامات جملہ انبیاء ورسل کے خلاف لگائے جاتے رہے مگر وقت کی کسوٹی کھرے سے کھوٹے کو ممتاز کرتی رہی ہے ۔ حضرت محمدؐ کی رفتار وگفتار میں کوئی تناقض نظر نہیں آتا ۔ وہ بعثت سے قبل بھی اعلیٰ محاسن اخلاق کے مالک تھے اور بعثت کے بعد تو ان کی گرفتار وکردار کا تطابق ہر صاحب ہوش وانصاف شخص کو محو حیرت کر دیتا ہے ۔ وہ قرآن مجسم تھے ۔ ان

کا تحمل اور عفور ودرگذر عام انسانوں کی استطاعت سے باہر تھا۔ مصنف مسلمان فاتحین کی مثال دیتا ہے کہ تیمور نے اصفہان میں کیا مظالم کئے یا نادر شاہ افشار نے دہلی میں کس قدر قتل عام کیا جبکہ مفتوحین کوئی مجرم تھے نہ ایذا رساں۔ دوسری طرف پیغمبر اسلام کا وہ عفو عام دیکھیں جو انہوں نے ۱۳ سال تک ہر قسم کی ایذا رسانی کرنے والے اہل مکہ کے لئے اس شہر کی فتح کے موقع پر روا رکھا۔ کردار پیغمبر کے علاوہ مصنف قرآن مجید کو موضوع دلیل بناتا ہے کہ اس کتاب کی ابدی رہنمائی کی حامل تعلیمات' ہر شائبہ جعل سے پاک اور منزہ ہیں۔

۲ ۔ دوسرا الزام یہ ہے کہ دین اسلام کو بزور شمشیر اور لوگوں کو ایذائیں دے دے کر پھیلایا گیا۔ متن کتاب میں مصنف نے دوسروں کے اقوال اور حوالے اس طرح نقل کئے ہیں کہ گویا وہ اس الزام کا حامی ہے مگر یہاں وہ اس امر کی تردید کر رہا ہے۔ مصنف تاریخ رسل کے مختلف واقعات نقل کرتا ہے اور اپنے مسیحی مذہب کے مبلغین اور فاتحین کی بہیمانہ حرکات لکھتا ہے ۔ اس کے بقول مسلمانوں نے مسیحی حکام جیسے مظالم کا ارتکاب نہیں کیا۔ پیغمبر یا خلفائے راشدین نے جبرواکراہ سے دین قبولوانے کی کبھی بات نہیں کی۔ بعض متاخر حکام نے اگر از خود کوئی زور تبلیغ دکھایا ہو تو اس کی ذمہ داری اسلام یا پیغمبر اسلام پر عائد نہیں جا سکتی۔ مسلمانوں نے امن و جنگ میں بالعموم شرافت کا مظاہرہ کیا۔ اپنے معاہدوں کی سختی سے پابندی کرتے رہے۔ یہ معاہدے رواداری اور فراخ دلی کے مظہر ہیں۔ مصنف من باب مثال اس معاہدے کا ترجمہ نقل کرتا ہے جو رسول اللہ نے ۳ محرم الحرام ۲ ھ کو مسجد نبویؐ میں نجران کے مسیحی رہنماؤں کے ساتھ کیا تھا۔ اس معاہدے میں ۱۸ امور کا ذکر ہے اور اسے حضرت علیؓ نے تحریر فرمایا تھا۔

۳ ۔ تیسرا الزام یہ ہے کہ دین اسلام نے موعودہ بہشت میں جسمانی لذات کے حصول کی تحریص کی ہے۔ مصنف دو امکانات کے ذریعہ اس الزام کی تردید کرتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سارا بیان تمثیلی ہے۔ لوگوں کے شعور وفہم کے مطابق بیان جسمانی لذت وسرور کا ہے ورنہ بعد از مرگ کی روحانی زندگی میں اچھے اور برے اثرات روح پر ہی مترتب ہوں گے۔ مسلمان علماء ومتکلمین کی اکثریت اس نقطہ نظر کی حامی رہی ہے کہ جنت کی نعمتوں اور لذتوں کا بیان تمثیلی ہے اور اس سلسلے میں رسول اللہ نے بھی کئی مواقع پر استفسارات کے جواب دیئے ہیں۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ جسمانی لذات واقعی میسر ہوں۔ جسے یہ ایمان ہو کہ مر مٹنے کے بعد اسے دوبارہ زندگی

ملے گی ' جسے یہ اعتقاد ہو کہ اس کی تخلیق ثانی ' تخلیق اول کی سی ہو گی ' اسے ان امور پر شک نہیں ہو سکتا کیونکہ خالق کے لئے ہر کام ممکن ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ اسلام نے حورو قصور اور انعام وانہار کو غایت تسکین قرار نہیں دیا ۔ یہ بات کتنی دلآویز ہے کہ انتہائے فوز وفلاح ذات باری تعالیٰ کا دیدار ہی ہے۔

۴ ۔ چوتھا الزام پیغمبر کو کثرت ازدواج اور تعدد ازدواج کی حمایت وترویج کا ہے ۔ مصنف سب سے اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ تعدد ازدواج کا کام دنیا میں ہر کہیں مروج ومتداول ہے ۔ وہ مرد کو طبعاً" قوی اور کثیر الزوج بتاتا ہے' خصوصاً" گرم علاقوں میں ۔ ان علاقوں میں عورتوں کی کشش جوانی جلد ختم ہو جاتی ہے اور مرد ایک سے زیادہ عقد کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی ایشیا میں بہتات اور مغرب میں کمی اور اس کے برعکس عیسائیوں کی مغرب میں افراط اور مشرقی ممالک میں کم آبادی کی ایک دلچسپ وجہ تعدد ازواج کے سلسلے میں دونوں کے رویے سے مربوط کرتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے تعدد ازواج پر معترض ہونے والے مسیحی اپنی تاریخ بھی دیکھیں ' سیزر کے ناول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ایک مسیحی عورت کے دس بارہ تک شوہر ہوتے رہے ہیں ۔ اناجیل میں تعدد ازواج کی اجازت دیکھی جا سکتی ہے۔

مصنف لکھتا ہے کہ اسلام نے تعدد ازواج کی اجازت دی ہے اور اسے عدل سے مشروط کیا ہے ۔ تعدد ازواج کوئی فریضہ نہیں ۔ اہل مغرب سوکنوں کے تصور سے خوف زدہ ہیں مگر عدل والے گھر میں ایسا نہیں ہوتا چنانچہ رسول اللہ کے گھر میں ایسا نہ ہو سکا ۔ اسلام نے عدل کی مراعات بیک وقت چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت دی ہے ۔ اسلام کے ابتدائی دور میں کنیزیں رکھنے کی بھی اجازت تھی۔ پیغمبر اسلام نے مختلف مصلحتوں کے تحت عقد کئے اور خدا نے انہیں اجازت بھی دی تھی ۔ ان نکاحوں کو حسن پرستی کے پیمانے سے ناپنا صریح تعصب ہے۔ جون ڈیون پورٹ بہرحال لکھتا ہے کہ تعدد ازواج سے مغربی معاشرہ بلاوجہ خائف ہے۔ "تائی بہر" (۱۵) نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ عرب مسلمان عورت ' تعدد ازدواج کے ماحول کے باوجود یورپی عورتوں سے کہیں زیادہ آزاد اور خوشحال ہے ۔ تعدد ازواج طبقہ امرا میں ہی مروج ہے اور عدل کی شرط کے خوف سے اچھے مسلمان اس سے احتراز کرنے لگے ہیں ۔ مصنف کے نزدیک تعدد ازدواج محبت کی قاتل نہیں ۔ اس کے معائب ہی نہیں ' محاسن بھی ہیں۔ اسلام نے اس کی مشروط

اجازت دے کر فطرت انسانی کی ترجمانی کی ہے۔ کتاب کا آخری (چوتھا) حصہ قرآنی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اس حصے میں (آیات اور سورتوں کے حوالے کے بغیر) ذیل کے عنوانات پر آیات قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ دیا گیا ہے: صدقات وخیرات، جزائے مومنین، تخلیقات خدا، توحید، تقدیر، شکر، روز جزا، نرمی اور مہمان نوازی، قرآن ومیزان، مقام محمد، اخلاقی اور معاشرتی تعلیمات، حقوق یتامیٰ و والدین، تقویٰ، نماز وعبادت و کنازان ثروت اور غیبت کرنے والوں کی مذمت، پاکیزگی روح اور مرتبہ نسواں۔ اس کتاب میں اسلام کا دفاع ہے اور مصنف کے اپنے مذہب مسیحیت پر مدلل انتقاد اور یہ دونوں باتیں مستشرقین کی کتب میں شاذ ہیں۔

۴۔ John Bangotglubb (Glubb Pasha) کی تالیف

The Life and Times of Muhammad لندن ۱۹۷۰ء طبع ثانی ۱۹۷۹ء۔

مصنف نے یہ کتاب کوئی ۶۰ برس کی عمر میں لکھی۔ اس کی زندگی کا نصف حصہ عربوں کے درمیان گزرا۔ اس نے اس تالیف کے تعارف میں لکھا کہ اس نے اسے غیر متخصصین اور عام پڑھے لکھے مغربی قارئین کے لئے لکھا ہے۔ وہ اپنی بے تعصبی کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ اپنے مسیحی ہونے کا معترف مگر مسلمانوں کا دوست ہونے کا مدعی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ وہ دور گزر گیا جب مسلمان اور عیسائی سیاسی مسائل کو مذہبی رنگ دیتے تھے۔ (۱۶) فینے لون کا معروف قول ہے: "جب خدا کو مذہب کا تنوع پسند ہے تو ہم اختلاف مذہب کو کیوں برداشت نہ کریں"؟ مصنف نے کتاب کے سرنامے میں اس قول کو بھی نقل کیا ہے۔ مصنف عرلستان کی موجودہ تعمیر نو کے حوالے سے عربوں کے اس سادہ طرز زندگی کے ناپید ہونے کا خدشہ ظاہر کرتا ہے جو عہد اسلام سے تا بحال کسی نہ کسی صورت میں باقی رہا ہے۔ لہذا اس حوالے سے بھی وہ اپنی اس تالیف کا جواز (۱۷) پیش کرتا ہے۔ یہ کتاب بھی مختنمات میں سے ہے مگر مصنف کی مسیحیت بھی کئی واقعات سے نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس کے منابع قرآن مجید، صحیحین، ابن اسحاق ابن ہشام کی سیرت طبقات ابن سعد، واقدی کی کتاب المغازی اور بعض متاخر کتب ہیں۔ کتاب میں عمدہ نقشے اور شجرہ نامے ہیں۔ کتاب کی ابتدا میں عرلستان اور اس کے اردگرد کے ممالک کی تاریخ ہے اور اس کے بعد عرلستان کے لوگوں کی معاشرت اور معیشت کی حالت۔ آغاز کلام مارچ ۶۳۲ء کے حجۃ الوداع کے اجتماع عظیم سے ہے جس کے تین ماہ بعد نبی اکرم اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے۔ مصنف کو

جدت تحقیق کا شوق ہے۔ مثلاً" حضرت خدیجہؓ کی عمر نبی اکرم کے ساتھ عقد کے وقت بالعموم ۴۰ سال بتائی جاتی ہے مگر اس مصنف نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب (۱۸) کے حوالے سے اسے ۲۸ سال لکھا ۔وہ لکھتا ہے کہ حضرت موصوفہ کے ہاں چھ بچے پیدا ہوئے اور ۴۰ سال کی عمر کے بعد اتنی اولاد کی تولید شاذ ہی ہوتی ہے ۔ اصل کتاب باب چہارم کے تحت ' اعلان نبوت سے شروع ہوتی ہے ۔ مصنف عربستان کے تجارتی ماحول کے پیش نظر قرآن مجید کی آیات میں تجارتی محاورات کے استعمال کا حوالہ دیتا ہے ۔ قرآن مجید کی ابتدائی آیات میں لفظ "اقراء" آیا ہے اور اس سلسلے میں رسول اللہ کے امی ہونے کی بحث کتب سیرت میں ملتی ہے۔ مصنف لکھتا ہے کہ اس وقت کی شامی عربی میں "اقراء" یاد کرکے بیان کرنے یا "سن کر کہہ" کے معانی میں مستعمل تھا ۔ وہ توجہ دلاتا ہے کہ قرآن کی ابتدائی آیات اس کتاب کے باقی متن سے مختلف ہیں ۔ سورہ علق کے علاوہ سورہ نجم (۵۳) کی آیات بھی اس کے نزدیک ابتدائی الہامات میں سے ہیں۔ بوقت وحی رسول اللہ نے حضرت جبرئیل کو دوبار انسانی صورت میں دیکھا تھا ۔ ایک غار حرا کی ابتدائی وحی کے بعد گھر مراجعت کرتے ہوئے اور دوسری بار سورہ نجم کے بیان کے بموجب مگر سورہ نجم کا تعلق مفسرین واقعہ معراج کے ساتھ بتاتے رہے ہیں۔

مصنف نے کتاب کی ابتدا میں لکھا ہے کہ اس نے یہ کتاب عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے لکھی اور اس میں متخصصانہ باتیں نہیں مگر اصل صورت حال اس کے برعکس بھی ہے ۔ اس نے قرآن مجید اور صاحب قرآن کے بارے میں جدید اور نادر روایات پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور علی الظاہر وہ اس کام کا اہل نہ تھا ۔ وہ قرآن مجید کے بتاخیر تدوین ہونے کا ذکر کرتا ہے ۔ اس نے ناسخ و منسوخ آیات کی بحث چھیڑی ۔ وہ لکھتا ہے کہ قرآن کے لوح محفوظ میں "کلام الہی" اور کلام غیر مخلوق" کی صورت میں مضبوط و محفوظ ہونے اور پھر عندا لضرورت اس کے تدریجی نزول کا عقیدہ عجیب ہے ۔ قرآن بتاخیر مرتب ہو سکا اور اس کے تاریخی نزول کی ترتیب مدونوں کو یاد نہ رہی لہٰذا مرتبین اور جامعین نے بڑی سورتیں پہلے رکھ لیں اور چھوٹی بعد میں ۔ مصنف کو اس بات پر استعجاب ہے کہ بعض خاص سوانح اور واقعات کے موقعوں ' استفسارات کے جواب میں جو آیات پیغمبر پر نازل ہوئیں' انہیں بھی مستقل قانون بنا دیا گیا ۔ وہ اس سلسلے میں جنگی واقعات اور اصول وراثت کا ذکر کرتا ہے ۔ وہ قرآنی موضوعات پر بھی نظر ڈالتا اور دبی زبان

میں پیغمبر کے ذریعے بعض مسائل کے لاینحل رہ جانے کا اشارہ کرتا ہے مثلاً مسئلہ جبر وقدر کے سلسلے میں وہ لکھتا ہے کہ ایک طرف یہ کہا گیا کہ سعادت اور شقاوت یا نیک وبد سرشت ازلی ہے اور دوسری طرف ہر کسی کو اپنے عمل کا ذمہ دار اور جواب دہ بتایا گیا ہے ۔ مصنف اسے تناقض بتاتا ہے۔ قرآن مجید ایک لفظی اور معنوی معجزہ ہے مگر اس کا اعتراف اہل ایمان ہی کر سکتے ہیں ۔ خشیت الٰہی بھی علمائے حق اور اتقیاء کا شعار ہے ۔ مصنف قرآن مجید کی آیات کے اثرات کو سادہ لوح عربوں تک محدود مانتا ہے ۔ اس کے نزدیک رسول اللہ متقی اور رقیق قلوب والے اشخاص کو عذاب دوزخ سے ڈرا کر اپنا گرویدہ بناتے رہے ہیں ۔ وہ عصمت پیغمبر اسلام کا کیسے قائل ہوتا ؟ اس نے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنے آپ کو کبھی معصوم عن الخطا نہیں بتایا ۔ ان کے خطا پذیر ہونے کے امکانات بتانے کی خاطر مصنف سورہ نجم کی آیت معراج میں ابلیس کی مداخلت کا ذکر کرتا ہے اور سورہ عبس کے بموجب اندھے جویائے حق کے سلسلے میں پیغمبر کی عدم توجہ کا بھی۔ مستشرقین کی حریفانہ موشگافیوں سے خدا کی پناہ ۔ مسلمان محققین مثلاً شبلی نعمانی اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مستند طریقے سے ثابت کی ہے کہ سورہ نجم کی آیات میں مداخلت کفار کے شوروشغب کا نتیجہ تھی ، مگر اس مصنف نے اپنے پیشروؤں کی طرح اس بظاہر ادنی واقعے سے بڑے بڑے گل کھلانے کی کوشش کی ہے ۔ ان لوگوں کے بقول دخیل جملوں کو کئی دنوں یا ہفتوں کے بعد حضرت جبرئیل نے سورہ مذکورہ سے اخراج کروایا ۔ اس سے قبل اس مداخلت کے زیر اثر کئی امور انجام پذیر ہو چکے تھے مثلاً شعب ابی طالب سے مسلمانوں کی آزادی اور حبشہ سے کئی مسمان مہاجرین کی مراجعت ۔ یہاں ان امور پر بحث کرنے کی مجال حاصل نہیں ۔ اس نام نہاد غیر متعصب مستشرق نے ایسا ہی دیر سے اثر پذیر زہر کتاب میں سمو رکھا ہے ۔ مثلاً اس نے حضرت عمر کی شجاعت ، حق پسندی اور قوت فیصلہ کی خوب تعریف کی مگر ان کی سخت گیری کی مذمت سے معاملہ برابر کر لیا ۔ اس نے یہ تک لکھ دیا کہ وہ اپنی بیوی کو بہت پیٹا کرتے تھے۔

مصنف نے کہیں کہیں اپنے متقدم مستشرقین سے اختلاف کر کے اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ مثلاً پروفیسر ماگولیتھ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ اور حضرت ابوبکر نے ایک عرب بدو سے مکہ تا مدینہ کا راستہ سمجھ لیا تھا اور وہ راتوں کو شتر سواری کرتے ہوئے یثرب آپہنچے تھے ۔ یہ مصنف راستوں کی دشواری اور پیچا پیچی کا ذکر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ عبداللہ بن ارقا نے رہنما کا کام

انجام دیا تھا اور اصل میں تین بشر مکہ سے یثرب کو روانہ ہوئے تھے۔ مگر یہ مصنف اگلے ہی سانس میں اسلام کے خلاف اپنا خبث مستور ظاہر کرتا ہے: وہ اسلامی عبادات کی حرکات و سکنات جیسے جھکنے، دوزانو بیٹھنے اور سجدہ ریز ہونے کو انسانی وقار کے منافی بتاتا ہے۔ وہ نماز اور عبادات میں تکراری کلمات اور اوراد، وظائف یا ادعیہ اور تسبیحات کی مکرر صورت پر انتقاد کرتا ہے گو دعاؤں کو وہ عہد نامہ عتیق سے مستفاد بھی بتاتا ہے۔ (۲۰) یہ مصنف بھی کتب سیر میں مذکورہ معجزات کی زور دار طریقے سے تردید کرتا رہا مگر کبھی کبھی اعتراف حقیقت اسے بھی کرنا ہی پڑا مثلاً مدینہ منورہ میں اشاعت اسلام کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

"اس دوران اسلام بڑی سرعت کے ساتھ اوس اور خزرج کے بت پرست عرب قبائل میں پھیل گیا۔ تاریخ کے مرقوم ریکارڈ سے بڑی شخصیتوں کے سارے اسرار و رموز معلوم کرنا محال ہے۔ البتہ اس بات سے انکار کرنا مشکل ہے کہ پیغمبر اسلام کو دوسروں پر اثر انداز ہونے کی غیر معمولی صلاحیت حاصل تھی۔ کتنے ہی کفار آپ کی مخالفت اور استہزا کرنے آنکلے مگر پیغمبر کے ساتھ مختصر ملاقات نے یہ اثر دکھایا کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنی بقیہ زندگی مخلص انسانوں کی طرح گزار دی"۔ (۲۱)

مصنف مسلمانوں کی جنگوں کا ناقد ہے۔ اس نے مدینہ کے مسلمانوں کی معاشی بد حالی کا ایک منظر کھینچا اور پھر ہجرت کے سات ماہ بعد قریش اور اہل مدینہ کی دشمنی اور محاذ آرائی کے شروع ہونے کا ذکر کیا۔ وہ اس بیان میں متردد ہے کہ مسلمان معاشی فوائد کی خاطر قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ کرنے کے عازم ہوئے یا اہل مکہ سے جنگ کرنا ان کی فاتحانہ حکمت عملی کا تقاضا تھا۔ اسے مسلمانوں کو باعث جنگ قرار دینے میں کبھی پہلی بات سے اتفاق ہو جاتا ہے کبھی دوسری سے۔ مسلمانوں نے اپنی اور اپنے دین کی بقا اور حفاظت کی خاطر اگر تلوار اٹھائی ہو، تو مصنف کو اس بات سے کوئی اعتنا نہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ پیغمبر اسلام کو جنگوں سے دلچسپی ہو سکتی تھی۔ ان کے دوسرے دلاویز طریقے شمشیر زنی سے زیادہ بہتر تھے مگر کاروان تجارت کے حملہ آوروں نے جنگ چھڑوا کے دم لیا۔ ایسی زہرناک عبارات سے مصنف رسولؐ اللہ کے مطاع نہ ہونے کا اشارہ کر رہا ہے جو کتنی فتنہ انگیز بات ہے۔ ایک طرف یہ مستشرقین مسلمانوں کو جارح اور حملہ آور قرار دے کر دین اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسری طرف عصر

رواں سے پہلے کی با مقصد جارحیت کو وہ مستحسن بھی بتاتے ہیں (دیکھیں مثلاً اس کتاب میں صفحہ ۱۳۷ کا حاشیہ) غزوہ بدر اس کے نزدیک ' مال غنیمت حاصل کرنے کی خاطر ' ایک جاحانہ اقدام تھا ۔ وہ لکھتا ہے کہ اس غزوہ میں قریش پیغمبر کے اس دعوے سے بہت گھبرا گئے تھے کہ مسلمانوں کی حمایت میں خدائی قوتیں (فرشتے) بھی برسرپیکار ہیں۔

دین اسلام میں دین ودنیا کی کوئی تفریق نہیں ۔ دین ' اطاعت خدا رسول کا نام ہے اور اس اطاعت کا تعلق ساری زندگی سے ہے ۔ اس مصنف کو رہ رہ کے یاد آتا ہے کہ قرآن حکیم کی مکی سورتوں کے مضامین اور ہیں اور مدنی کے اور۔ وہ اس سلسلے میں دیگر مغربی دانشوروں کے استعجاب کا ذکر بھی کرتا ہے ۔ وہ قرآن مجید کی آخری تین سورتوں اور سورہ ۱۰۱ کی ابتدائی پانچ آیات کے ترجمے کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مکی مختصر سورتوں میں بہت کچھ شکوہ اور ولولہ ہے: ...... "مگر مدینہ ہجرت کر آنے کے بعد پیغمبر اسلام سیاست ' جنگوں اور انتظامی امور میں الجھ گئے اور اس کے مطابق وہ سخت احکام پر مشتمل آیات پیش کرنے لگے" (۲۲)

اس کے بعد مصنف یتیموں کے حقوق اور اصول وراثت کے احکام پر مشتمل آیات کے ترجمے نقل کرتا ہے اور سرور کائناتؐ کی مکی اور مدنی زندگی کے تناقضات دکھانے کی ناکام سعی کرتا ہے ۔ وہ پیغمبر کی جامعیت کاذکر کرتا ہے کہ وہ بیک وقت پیغمبر' سیاست دان قانون ساز اور عسکری سپہ سالار تھے ۔ وہ مدعی ہے کہ نظری طور پر اس جامعیت کی تلاش میں تمام مسلمان رہنماؤں نے بعد میں اپنی قوم کو پسماندہ بنائے رکھا۔ جامعیت کو آزادانہ اور جمہوری انتخاب کے ذریعے سے تلاش کرنا چاہیے ' وراثت کے بل بوتے پر نہیں ۔ مصنف دراصل ملوکیت کی مذمت اور حوصلہ شکنی کر رہا ہے 'مگر اس کی مثال کے نقائص عیاں ہیں اور اسلام ملوکیت کا بھی کب ہے ؟

یہودان بنی قریظہ کے قتل کے واقعہ کو اس مصنف نے بھی رقت بار بنایا ہے ۔ یہودی عورت ریحانہ بنت عمرو کے نبیؐ اللہ کے ساتھ نکاح کی ضعیف روایت اس نے بھی نقل کی ہے ۔ نبی اکرم کے دیگر عقدوں کے بارے میں بھی اس کی تحریروں سے شترگربگی ظاہر ہوتی ہے ۔ فتح مکہ کی تصویر اس نے عمدہ کھینچی اور پیغمبر کی رحمت عام کو سراہا مگر یہاں بھی وہ بنی قریظہ اور بعض دیگر مخالفین کے ساتھ سختی کئے جانے کے واقعات کو نہ بھولا ۔

کتاب کے آخری دو ابواب مسلمانوں کی فتوحات اور اشاعت اسلام کی سرگرمیوں پر محیط

ہیں ۔ آخر میں ایک تکملہ بھی ہے ۔ صحت املا ' نقشوں ' حوالوں اور فہرستوں ' سنین اور شریک اہم اشخاص کی ہویت کی توضیح اور دیگر صوری محاسن کے لحاظ سے یہ کتاب لائق تحسین ہے مگر مواد میں زہر گھولا ہوا ہے ۔

۵) امریکی مستشرق Hugh Kennedy کی کتاب

The Prophet and the age of the Caliphatesجو ادارہ لانگ مین نے سنگا پور میں طبع کروا کر ۱۹۸۶ء میں لندن اور نیو یارک سے شائع کی ہے ۔ اس موجز اور متوازن کتاب کا پہلا باب جزواً اور دوسرا کلاً سیرت رسول سے متعلق ہے ۔ باقی ابواب میں پانچویں صدی ہجری / گیارہویں صدی عیسوی تک کے عہد اسلامی کا ذکر ہے : خلاف راشدہ' خلافت امیہ و عباسیہ ' آل بویہ' کردوں اور حمدانیوں کی حکومت 'مصریوں اور فاطمیوں کی حکمرانی اور آل سلجوق کا اقتدار ۔ سردست ہمیں کتاب کے پچاسویں صفحے تک کے متن سے سروکار ہے جو سیرت رسولؐ سے متعلق ہے ۔ ہم قابل توجہ تذکرو ذکر امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کلی طور پر ہمارا تاثر یہ ہے کہ ہف کینیڈی نے سیرت پاک کے بارے میں محتاط طریقے سے لکھا ہے ۔ اس نے اختصار سے کام لیا ہے اس لئے بعض باتیں تشنہ اور ایمائی رہ گئیں ۔ اس کے باوجود اس کتاب کے زیر بحث ۵۰ صفحوں کے کسی قدر مشرح ترجمے کو اگر جمہور مسلمان بھی پڑھیں ' تو انہیں انگشت شمار باتوں کے بارے میں ہی استعجاب ہو سکتا ہے۔ مصنف کا بیان مصرح اور واضح صورتوں میں ملتا ہے۔

نبی اکرمؐ کے دور طفلی میں حرب فجار ' اور حلف فضول کے واقعات پیش آئے ۔ پہلے واقعہ کے موقع پر اس صادق وامین نوجوان کی دانش مندانہ اور صلح آمیز ثالثی کے ذریعے حجر اسود جنگ وجدل کے بغیر دیوار حرم میں نصب ہو گیا تھا۔ حلف فضول ' یعنی فضل نام جوانمردوں اور فتیان کا نیک کاموں کے لئے تعاون اور مظلوموں کی حمایت کرنے کا معاہدہ جس کا ذکر پیغمبر اسلام نے بعثت کے بعد بھی اچھے الفاظ میں کیا ہے ۔ مصنف پر تجارت اور معاشی مفادات کا اس قدر غلبہ ہے کہ وہ ان دونوں معاہدوں کو قریش کی معاشی ساکھ برقرار رکھنے کی کوششیں قرار دیتا ہے جبکہ صورت حال کچھ اور تھی ۔

سورہ نجم میں شیطانی جملوں کی مداخلت اور بت پرستی کی توصیف کی کلام الٰہی میں تلبیس

سے سب ہی مستشرقین کو اعتنا رہا ہے ۔ یہ مصنف بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تردید آمیز لہجے میں اسے قریش کے ساتھ مفاہمت کی ایک امکانی کوشش قرار دیتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ ایسا ہوا بھی ہو ، تو بھی پیغمبر نے جلد اصلاحی اقدام فرمایا اور ان عبارات کو وحی الٰہی سے جدا کروایا کیونکہ اسلام کی رو سے توحید اور بت پرستی یکجا نہیں رہ سکتے ۔ وہ بنی ہاشم کے معاشرتی مقاطعہ کے خاتمہ کو اس واقعہ سے منسوب نہیں مانتا ۔ اس کے نزدیک بنی ہاشم کے صاحب نفوذ رشتہ داروں نے قریش کو مجبور کیا تھا کہ وہ بائیکاٹ ختم کریں ۔

مصنف ہجرت کی ایک حکمت یہ بتاتا ہے کہ رسول خدا نے مدینہ منورہ کی آزاد فضا میں مسلمانوں کے پہنچنے کا اہتمام فرمایا ۔ یہاں مسلمانوں کا تصور امہ نمایاں ہونے لگا۔ یہاں کی ریاست میں مسلمانوں کو تفوق وبرتری حاصل ہوئی اور وہ اسلام کو عالمگیر رنگ دینے لگے ۔ مصنف نے تصور امہ کا بارہا ذکر کیا ۔ اس سلسلے میں اس نے مؤاخات کا ذکر کیا اور مدینہ اور مکہ کے مسلمانوں کی ایک دوسرے کے ساتھ معاونت کا بھی۔ تاہم اس معاملے میں اس کا ذہن صاف نظر نہیں آتا۔ غزوات کے بارے میں اس کا تجزیہ بعض لحاظ سے غنیمت ہے ۔ وہ لکھتا ہے مکہ والوں کے ساتھ کامیاب نبرد آزمائیوں نے مسلمانوں کی دھاک بٹھادی اور بدو اوردیگر قبائل اسلام قبول کرنے میں پیش تاز ہوئے کہ مسلمان انہیں تحفظ دے سکتے ہیں ۔ غزوات میں مسلمانوں کی قوت وشکوہ سے عام مخالفین اور منافقین سہم گئے اور انہیں مسلمانوں کی کھلی مخالفت کرنے کا یارا نہ رہا۔ مصنف کے بقول مسلمانوں نے قریش کی ناکہ بندی جاری رکھی جس کی وجہ سے ان کی کمر ہمت ٹوٹ گئی تھی۔ ادھر یہودان مدینہ کی ریشہ دوانیوں کی کوئی حد نہ تھی۔ مصنف ان کا ذکر کر کے بنو نضیر کے خیبر شہر بدر اور بنو قریظہ کے مردوں کے قتل اور ان کی عورتوں اور بچوں کے فروخت کئے جانے کے واقعات کا ذکر کر کے بے تبصرہ آگے نکل جاتا ہے۔ (۲۳)

غزوات کے ذکر میں ہی اس نے غزوہ بدر میں کم تعداد اور کم وسائل والے مسلمانوں کی کامیابی کے دو وجوہ لکھے ہیں: پانی کے وسائل پر قبضہ اور پیغمبرؐ اسلام کی بے بدل رہنمائی ۔ کاش وہ خدائی نصرت کا ذکر بھی کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اہل مکہ معاشی برتری قائم رکھنے کے لئے لڑتے تھے۔ مسلمانوں کو یہ مقصد بھی پیش نظر تھا کیونکہ غنائم سے ان کی معیشت مستحکم ہوتی رہی مگر انہیں زیادہ لگاؤ اپنے دین کی اشاعت سے تھا ۔ وہ لکھتا ہے کہ حضرت محمد کا ہدف یہ تھا کہ مدتوں

سے "شہر امن" قرار دئے جانے والے مکہ کو خون خرابے کے بغیر فتح کریں اور اس مشکل کام کو انہوں نے صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور حکمت آمیز معاہدے کے ذریعے آسان کر دیا۔

مصنف لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی عظیم جنگوں میں غزوہ حنین ہے جس کے زیر اثر طائف بھی جلد فتح ہو گیا۔ غزوہ حنین میں مسلمان ۲۰ ہزار کی منظم اور مسلح دشمن فوج پر غالب آئے پھر مسلمانوں نے ہوازن قبیلے کے حملہ مکہ کے فتنے کو مٹایا تو اہل مکہ اور دوسرے قبائل کو مسلمانوں کی قوت واہمیت کا احساس ہوا تھا۔

مصنف نے رسول خدا کے دوسرے ممالک کو وفود بھیجنے کی حکمت عملی پر خاصی بحث کی ہے۔ اس کے نتیجے میں عرب حکمران اسلام سے آگاہ ہوئے اور ایرانیوں کا عمل دخل بحرین اور یمن وغیرہ سے ختم ہو گیا۔ مصنف لکھتا ہے کہ اسلام نے اہل کتاب سے نرمی کرنے اور انہیں بعض مراعات دینے کی تعلیم دی۔ کفار کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہے۔ اسلام اپنے منطقہ اقتدار میں "جزیہ" لیتا ہے تاکہ غیر مسلم اظہار اطاعت کرتے رہیں۔ مصنف حجتہ الوداع کے موقع پر پیغمبر کے الوداعی خطبے کو اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور عصارہ بتاتا ہے۔ سرور کائنات نے اس حرم خدائی کی تطہیر فرمائی جسے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر فرمایا اور جسے دنیا کا قدیم ترین حرم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ مصنف "امہ" کی طرح "حرم" کے مفہوم میں بھی سوء فہم کا شکار معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پیغمبر اسلام کا کارنامہ حیات بعض پہلوؤں سے ان رہنماؤں کی خدمت کے شبیہ ہے جنہوں نے عرب کے دوسرے علاقوں میں "حرم" قائم کر رکھے تھے (۲۴) حرم مکہ کے محافظوں کے محترم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر انہوں نے مدینے میں مقابلے اور اتحاد والا ایک نیا حرم بنوا دیا جس کی طرف قبائل رجوع کرتے اور ان کے گروہ مقتدر میں شامل ہوتے رہے۔ مصنف غالباً" مسجد کو حرم قرار دیتا ہے اور مسجد نبوی کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ مگر اصطلاحاً" مسلمانوں کا قبلہ اول حرم فلسطین رہا اور اس کے بعد مکہ مکرمہ میں واقع حرم کعبہ۔

مصنف لکھتا ہے کہ حضرت محمدؐ نے جس قسم کے معاشرے کو تشکیل کیا ایسا معاشرہ عربوں کے ہاں کبھی موجود نہ تھا۔ اس معاشرے کا خاصہ توحید تھی اور پیغمبر اس کے لئے کوشاں رہے کہ توحید الٰہی کو فروغ ہو۔ اس تصور وعقیدہ نے انسانوں کو مسلموں اور غیر مسلموں کے دو منفک اور

متفرق گروہوں میں بانٹ دیا ۔ رسول خدا کوئی روایتی قبائلی سردار نہ تھے "وہ اللہ کے واحد اور یکتا پیغمبر تھے جن کی بات نہ ماننا خدا کو چیلنج کرنا قرار پایا" (صفحہ ۴۷) انہوں نے آمرانہ فیصلے نہ کئے مگر مسلمانوں کو احساس تھا کہ وہ ملہم ہیں ۔ لہٰذا غیردینی کاموں کے سلسلے میں بھی وہ بمشکل چون وچرا کرتے تھے مبادا عذاب خدا ان کے لئے مستوجب ہو جائے ۔ مصنف پیغمبر اسلام کی ان شان یکتائی کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے کہ ان کے فیصلے اور اقوال واحادیث امت مسلمہ کے لئے ابدی دستور ہدایت ہیں۔

مصنف لکھتا ہے کہ جس طرح پیغمبر کی شان رفیع تھی انہوں نے ایسی ہی شان اپنی "امتہ" کو دلوائی۔ اسلامی معاشرے میں عزت واحترام کا معیار تقویٰ ہے ' پرانے معاشرتی اصولوں کی طرح جنگ جوئی 'بہادری فیاضی اور مشاورت یا ثالثی کی صلاحیتیں نہیں ۔ ان صلاحیتوں کو مئوخر درجہ دیا جائے گا ۔ صبغۂ اسلامی میں پختگی دولت اور جاہ ومرتبہ پر مقدم قرار دی گئی ہے۔ مصنف پیغمبر اسلام کی مجلس شوریٰ پر بحث کرتا ہے جس میں سابقہ خدمات او پیغمبر سے قربت کے زیادہ مواقع ملنے کو خاص اہمیت دی گئی ۔ اس سلسلے میں اس نے مہاجرین ' ابتدائی انصار اور اصحاب بدر کا ذکر کیا ہے۔

کتاب کے باب دوم کے آخری پیرے میں مصنف اس بات کی ترجمانی کرتا ہے کہ اسلام کو ایک دین غالب کے طور پر تمکن فی الارض کی ضرورت تھی ۔ اس کی مہد اول عربستان تھی ۔ وہاں اس نے طوعا" یا کرھا" یہ تمکن حاصل کر لیا تاکہ اسلام کی حیثیت کو کم ازکم ان علاقوں میں کوئی چیلنج نہ کر سکے ' لیکن اسلام عربوں کا ہی نہیں عالم انسانی کا دین ہے ۔ لہٰذا اس امر کی کوئی منطقی توجیہہ نہ کی جا سکتی تھی کہ اسلام مدینے میں مرکزی حیثیت حاصل کر کے عربی زبان کے لوگوں میں ہی کیوں محدود ہوکررہ گیا یہی وجہ ہے کہ بعد کے ادوار کی اسلامی فتوحات کو حضرت محمد کے مشن کی تکمیل ہی کہا جائے گا"(صفحہ ۴۹)

۶) برطانوی مستشرق ڈاکٹر ایم ۔ منٹگمری واٹ کی دوجلدی کتاب

Muhammad at Mecca اور **Muhammad at Medina** یہ کتاب دو بار انگلستان میں شائع ہوئی (اڈنبرا ۱۹۵۳/۱۹۵۶ ء اور ۱۹۶۰ء) اور ایک بار نیشنل بک فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام پاکستان میں بھی ۔ کتاب کی جلد دوم یعنی نبی اکرم کی حیات منزہ کا مدنی دور جلد اول سے تقریباً

دوچند ضخامت کو محیط ہے (کل کوئی ۴۰۰ صفحے)۔ تحقیق وتدقیق ' فہرس و ضمائم اور ابتدائی منابع سے استفادے اور ترتیب مضامین کے حسن کے اعتبار سے یہ کتاب لائق تحسین ہے۔ ڈاکٹر واٹ کی اس کتاب کو سراہا گیا۔ دوسرے ممالک کے سوا پاکستان میں بھی مصنف کی پذیرائی ہوئی اور اس کا وہ مستحق ہے۔ تاہم اسلام یا پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ کتاب تماماً" اسقام سے پاک نہیں۔ دیگر مستشرقین کے اسلوب پر اس کتاب میں بھی متعصبانہ مواد دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس نے یہ کتاب مورخین اور عام عیسائیوں نیز مسلمانوں کے لئے لکھی ہے۔ وہ قرآن مجید کو غیر مخلوق کلام اللہ نہیں مان سکتا اور حزم واحتیاط کی بنا پر وہ اسے گفتار حضرت محمدؐ بھی قرار نہیں دے سکتا۔ لہٰذا اس کتاب زندہ کے ذکر میں اس کا اسلوب یہ رہا ہے کہ وہ "قرآن کہتا ہے" لکھتا ہے (۲۵) ابتدا میں وہ عیسائیوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ حضرت محمدؐ کی عظمت مان لینے سے نباہ کریں۔ اسی طرح مسلمانوں کو وسعت قلبی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ وہ لکھتا ہے کہ دیگر اصولوں کے علاوہ اس نے تاریخ اسلام کو مادی عوامل کی بنیادوں پر جانچنے کی کوشش کی ہے سیرت رسول پر مستشرقین کی کتب کے علاوہ اس کے اساسی اسلامی منابع مندرجہ ذیل رہے ہیں: قرآن حکیم' احادیث بالخصوص صحیحین' سیرت ابن اسحاق م ۱۵۱ھ / سیرت ابن ہشام م ۲۱۸ ھ ' تفسیر ابن جریر الطبری م ۳۱۰ھ ' مغازی الواقدی م ۲۰۷ھ ' طبقات ابن سعد م ۲۳۰ھ' اسد الغابہ از ابن اثیر م ۶۳۱ھ اور الاصابہ از ابن حجر م ۸۵۱ ھ۔

قرآن مجید کے بارے میں مصنف ابتدائے کتب میں ہی عجیب باتیں لکھتا ہے: راست عقیدہ مسلمان اس کتاب کو کلام خدا مانتے ہیں (صفحہ ۲۶) راقم کے خیال میں جو مسلمان اس کتاب کو "کلام اللہ" نہ مانے (کلام مخلوق یا غیر مخلوق کی بحث سے قطع نظر) اس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں؟ مصنف کو قرآن کے نادر الفاظ پر تعجب ہے جیسے سقر' قارعہ اور حطمہ (ایضاً") یہودی اور عیسائی عقائد اور بعض دیگر توحید آمیز مذاہب کی باتوں کے قرآن مجید میں بار بار انعکاس سے بھی مصنف کو اچنبھا ہے (صفحہ ۲۸) قرآن مجید نے تو ان باتوں کی خود بار بار تصدیق کی ہے۔ غنیمت ہے کہ وہ ابراہہ کے حملہ کعبہ کے واقعہ کے قرآن مجید میں محفوظ ہو جانے کی تاریخی اہمیت کا ذکر کرتا ہے۔ وہ معترف ہے کہ اس کتاب میں عاد اور ثمود اقوام کے پیغمبروں بالترتیب حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کا ذکر یہودیوں اور عیسائیوں کے تصور نبوت کے مطابق ہے۔

ظاہر ہے کہ قرآن مجید سابقہ نبوتوں کی غیر تحریف شدہ باتوں کا مصدق ہے لہٰذا یہ غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اس مصنف کی نظر میں حضرت خدیجہ کی عمر اگر رسول خدا کے ساتھ عقد کے موقع پر چالیس سال ہوئی ہو اور اس کے بعد ان کے ہاں چھ یا سات بچے تولید ہوئے ہوں' تو یہ کوئی غیرامکانی بات نہ تھی۔ اس نے سیرت ابن ھشام میں مذکور آنحضرتؐ کے دور طفلی کی روایات کو بی بی آمنہؓ اور بی بی حلیمہؓ کے حوالے سے مفصل تر نقل کیا۔ مصنف سورہ مدثر اور سورہ نجم کی بعض آیات کو گنجلک قرار دیتا ہے جن کی رو سے یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ پیغمبرؐ نے صرف حضرت جبرائیلؑ کو دیکھا تھا یا انہیں دیدار حق بھی نصیب ہوا تھا۔ لفظ "عبدہ" (۱۰ : ۵۳) کے ضمیر کے اشارے پر اس نے مفصل بحث کی ہے۔ وہ بعثت سے قبل رسولؐ کی خلوتی عبادات کو یہودیوں اور عیسائیوں کی تقلید قرار دیتا ہے۔ گرمیوں میں غاروں کی عبادات اس کے نزدیک یوں بھی غیراہم ہیں کیونکہ منطقہ حارہ مکہ کے جو لوگ طائف یا دیگر کوہستانی علاقوں تک جانے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں' وہ گرمی میں غاروں کی پناہ لیتے ہیں۔ وہ مزید موشگافی کرتا ہے کہ رسولؐ خدا نے چونکہ دوریتیمی کا دور دیکھا تھا۔ لہٰذا غار حرا میں وہ اس درد کے مداوا کا سوچا کرتے تھے۔ وہ لفظ "امی" کے مفہوم میں لکھنے پڑھنے کے عدم استطاعت کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے خیال میں یہ مفہوم مسلمانوں نے ایک معجزہ کے طور پر گھڑا ہے (صفحہ ۴۴) آیات قرآن کے نسخ و منسوخ ہونے کے موضوع پر اس نے عجیب ھرزہ سرائی کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فترت وحی کے دوران اور بعد کئی آیات کا رد و بدل کیا ہو گا اور نجی معاملات کی آیات کو ان کی جگہ دی ہوگی۔ البتہ ایک مقام پر (صفحہ ۵۷) وہ دفاع کرتا ہے کہ حضرت محمدؐ پر دورہ پڑنے کا الزام عائد کرنا بے انصافی ہے۔

تیسرے باب میں مصنف پیغام اسلام سے بحث کرتا ہے۔ اسلام کی اکثر و بیشتر تعلیمات اس کے نزدیک یہودیت و عیسائیت سے ماخوذ ہیں۔ اسلام نے دوسرے ادیان و مذاہب کی مفید چیزیں اپنائی ہیں مثلاً" عہد جاہلی کی روش "مروت"۔ اس موضوع پر مصنف نے کافی لکھا ہے۔ مروت یا مروت = مردانگی یا جوانمردی) میں صبر کرنے' کمزوروں کا دفاع کرنے' طاقت وروں کو نیچا دکھانے اور دوسروں کی عزت کی حرمت رکھنا شامل تھا۔ مگر صاحبان مروت شرابخوار' بدکار اور انتقام جو بھی ہوتے تھے۔ ایک فارسی شاعر عطار (یہ شیخ عطار نیشاپوری نہیں) نے "مروت" کو "۷۲" شرائط فتوت میں سے ایک شرط قرار دیا ہے :

کہ ھفتاد و دو شد شرط فتوت   یکے زاں شرطہا باشد "مروت" (۲۶)

مصنف رقم طراز ہے کہ اسلام نے انتقام کو عفو سے بدل دیا اور میخواری و بدکاری کو بلند کیا۔ باقی آداب مروت اپنا لئے (صفحہ ۴۷)۔

کتاب کی دوسری جلد Muhammad at Medina میں مصنف غزوہ بدر کے سلسلے میں ، دیگر اکثر مستشرقین کی مانند ، مسلمانوں کو جارح بتاتا ہے ۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو خاطر خواہ غنائم ملے اور مرتبہ غزا یا شہادت کا ثواب سن کر ان کے حوصلے بلند تر ہو گئے (صفحہ ۱۴ تا ۲۹) وہ الزام لگاتا ہے کہ اسیران جنگ کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا گیا ۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو نصرت خدائی کی نوید سنائی گئی تھی مگر غزوہ احد میں مسلمان فتح کے بعد حالت شکست سے دوچار ہونے لگے تھے ۔ اس وقت کئی لوگوں کا ایمان متزلزل ہونے لگا تھا کہ اب نصرت حق کو کیا ہوا ہے؟ (صفحہ ۳۱) ۔ یہ مصنف کا تجاہل عارفانہ ہے ۔ بظاہر وہ اس بات سے بے خبر نہ ہو گا کہ اس حالت کی ذمہ داری مسلمانوں کے ایک گروہ کے حرص و آز اور عجلت بازی پر عائد ہوتی ہے اور قرآن مجید میں اس غزوہ پر بھی تبصرہ موجود ہے۔ ڈاکٹر واٹ جنگ احزاب کو قریش کی انتہائی ناکامی بتاتا ہے ۔ اس غزوہ میں گو چھ انصار شہید ہوئے اور تین قریشی مارے گئے، مگر قریش کے بے نیل و مرام محاصرہ اٹھا دینے سے یہ ثابت ہوگیا کہ مسلمان اب مدینۃ الرسولؐ کی حفاظت کرنے کے اہل ہیں۔ اس غزوہ نے مسلمانوں کی قریش اور جملہ قبائل عرب پر دھاک بٹھا دی تھی ۔ بعد میں کفار قریش غیظ و غضب میں تو رہے مگر قہر درویش برجان درویش ۔ وہ کوئی جارحانہ کارروائی نہ کر سکے ۔ چنانچہ صلح حدیبیہ فتح الفتوح بنی اور مکہ مکرمہ خون و خرابہ کے بغیر تسخیر ہو گیا۔

مصنف کو مکاتیب نبویؐ بنام سلاطین و ملوک کے متون کی خبر نہیں ۔ وہ پیغمبرؐ اسلام کو اتنا مقتدر نہیں مانتا کہ وہ معاصر ملوک سے کتب سیر کے تبصروں کے مطابق تخاطب فرماتے ۔ مصنف کے زعم و قیاس کے مطابق آنحضرتؐ سلاطین کو اس وقت دعوت اسلام نہ دے سکتے تھے ۔ انہوں نے ایسے خطوط لکھے ہوں گے جن میں ان حکمرانوں سے اپیل کی گئی ہو گی کہ وہ مسلمانوں اور قریش کے معاملے میں غیر جانبدار رہیں ۔ آنحضرت کے اصل مکاتیب مقدس بھی دست یاب ہو چکے (۲۷) ان حالات میں ڈاکٹر واٹ کی یہ قیاس آرائی کس قدر مضحکہ خیز اور تعصب آمیز ہے!۔

مصنف کو حضرت خالدؓ سے بے حد کد ہے : وہ مسلمان مورخین کے بیانات کو مبالغہ آمیز

بتاتا ہے کہ عیسائی فوج کی تعداد میں ایک لاکھ نفوس شامل تھے جب کہ مسلمان صرف چند ہزار تھے۔ اتنے بڑے معرکے میں مسلمانوں کے ۸ یا ۱۲ افراد کا شہید ہونا بھی اس کے لئے قابل قبول نہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ زید بن حارثہ' جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت ثابتؓ بن ارقم کو سپہ سالار بننا تھا مگر حضرت خالدؓ بن ولید نے ازخود کمانڈ سنبھال لی (صفحہ ۵۴)۔ حضرت خالدؓ 'سیف اللہ' کی تمدیح و تشہیر کی خاطر مورخین جنگ موتہ کا بیان مبالغہ آمیزی سے کرتے رہے۔ مصنف کے نزدیک حضرت خالدؓ کا قابل تمدیح کام صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کو بحفاظت مدینہ لوٹا دیا' مگر جوشیلے مسلمان اس کام سے خوش نہ تھے۔ البتہ غزوہ موتہ نے مسلمانوں کی فاتحانہ دھاک بٹھا دی اور اہل مکہ ان سے مزید سہم گئے۔ اس سے رسولؐ خدا کے لئے ممکن ہو گیا کہ وہ حسب خواہش و آرزو بے خون و خرابہ اور بے جنگ و جدال مکہ فتح کر لیں (صفحہ ۷۶' ۷۷) بعد کے باب میں مصنف نے نبی اکرمؐ کی اس حکمت عملی سے بحث کی ہے جس کے نتیجے میں عرب قبائل مسلمانوں کے حلیف یا مطیع بن گئے (تا صفحہ ۱۵۰)۔ پانچواں باب مدینے کی داخلی سیاست اور حکمت عملی سے مربوط ہے۔

اگلے باب میں مصنف نے یہودیوں کے سلسلے میں نبی اکرمؐ کی پالیسی کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس کی بحث کا لب لباب یہ ہے کہ حضرت محمدؐ نے یہودیوں سے دوستی کی بہت کوشش کی مگر ان کے قلوب صاف نہ ہوئے۔ انہوں نے قریش' قبائل عرب اور منافقین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کی سازشیں روا رکھیں۔ اس کا نتیجہ ان کے ہی خلاف رہا۔ چنانچہ ان میں سے بعض قتل اور بعض جلا وطن یا منتشر کر دیئے گئے۔ انہیں اپنی نسلی برتری' مذہبی تفوق اور دولت پر ناز تھا۔ ان کی سازشیں سخت تھیں اور ایسی ہی سخت سزا بھی انہیں ملی (صفحہ ۲۱۹) مصنف البتہ مبالغہ آرائی کرتا ہے کہ مسلمان' یہودیوں کی دولت اور غنیمت حاصل کر کے متمول بن گئے تھے۔

ساتویں باب میں مصنف مسلمانوں کے تمکن فی الارض پر بحث کرتا ہے۔ مسلمانوں نے مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کی اور اسلام کو بطور ایک نظام حیات عملاً نافذ کیا۔ پیغمبرؐ نے مختلف معاہدے کئے اور دستور حکومت پیش کیا۔ انہوں نے قوم' ملت اور امہ کے تصورات واضح کئے۔ مصنف متوجہ ہے کہ امت اسلامی کی بنیاد عقائد پر ہے' خطہ زمین' زبان یا نسل وغیرہ پر نہیں۔

مصنف کو حیرت ہے کہ مسلمانوں نے زکوۃ ' صدقات اور خیرات کے ذریعے مستحکم معاشی نظام قائم کر دیا تھا ۔ معاشرتی اصلاحات کے بارے میں مصنف کی بحث خاصی متوازن ہے ۔ مصنف نے آخر میں ضائم اور توضیحات کا خاصا اہتمام کیا ہے ۔ یوں دوسری جلد ۴۰۰ پر ختم ہوتی ہے ۔ اصل کتاب کا اختتامیہ صفحہ ۳۳۴ و ۳۳۵ پر ہے ۔ مصنف رسول اللہ کو عظیم انسان بتاتا ہے جس میں بصیرت ' سیاستمداری اور قوت نظامت بدرجہ اتم موجود تھی ۔ ان کے روحانی اور اخلاقی کمالات کو وہ مسلمانوں کے عقائد سے مربوط جانتا ہے جو قرآن مجید کو وحی جلی اور ان کے دیگر اقوال کو وحی خفی قرار دیتے ہیں ۔ آخری عبارت کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"اسلام کے ابتدائی عہد اور سیرت رسولؐ کا کوئی جتنا زیادہ مطالعہ کرے اتنا ہی وہ پیغمبرؐ کے کارنامے اور ان کی کامیابیاں دیکھ کر محوحیرت ہوتا ہے۔ انہیں مناسب حالات نے یہ کامیابیاں دلائیں مگر یہ بات ماننی پڑے گی کہ انہوں نے وقت کا ساتھ ہی نہ دیا' اس کا دھارا بھی موڑا ہے۔ بطور ایک صاحب بصیرت شخص 'سیاستدار اور ناظم و منظم کے ان کے تحائف' اگر عالم انسانی کو نہ ملتے' تو تاریخ انسانی کا ایک اہم ترین باب لکھا جانے سے رہ جاتا۔ مگر یہ کامرانیاں انہیں خدا پر ایمان اور اپنے رسول و نبی ہونے کے ایمان نے دلائی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس قسم کے مطالعات سے ابنائے آدم میں سے ایک عظیم انسان کی سیرت کا تجزیہ ہوتا رہے گا"۔ (صفحہ ۳۳۵)

مصنف نے کتاب کے آخری صفحات میں مسلمانوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ فراہم کیا ہے ۔ اس کے بقول دنیا ایک واحد نظام اخلاق پر غور کر سکتی ہے ۔ ایسا نظام اخلاق ' اسلام اور سیرت رسولؐ سے اخذ ہو سکے تو مسلمان اسے اپنی زندگیوں میں کیوں منعکس نہیں کرتے ؟ مسلمان دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا پیغمبرؐ' عالم انسانی کے لئے نمونہ اور سرمشق ہے 'مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ ان کے کردار کی اقدار نمایاں کریں اور انہیں اپنے عمل میں منعکس کریں ۔ غنیمت ہے کہ مصنف دین اسلام کو یہ شرف دیتا ہے کہ اس کا سرچشمہ توحید گدلا اور مکدر نہیں ہوا ۔ (صفحہ ۳۳۴ ۔ ۳۳۵)

۷ ۔ **Williani Muir** کی کتاب **Mahomet and Islam** کی تلخیص ۔

سر ولیم میور کی اصل کتاب (۲۸) ۱۸۵۸ تا ۱۸۶۱ء کے دوران شائع ہوئی تھی ۔ سید احمد خان

نے خطبات احمدیہ میں مصنف کے اعتراضات کا علمی جواب دیا ہے ۔ کتاب کا مصنف (۱۸۱۹ تا ۱۹۰۵ء) برصغیر میں شمال مغربی صوبوں کا لیفٹیننٹ گورنر رہا ۔ اس کی چار جلدی کتاب کا یہ متن ۱۸۹۵ء میں چھپا تھا ۔ دوسری بار یہ ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا ۔ اصل کتاب اب کتب خانوں میں ہی ملتی ہے ۔ مگر ۲۵۰ یہ خلاصہ کا پھر متداول ہو رہا ہے (۲۹) ۔ ہم نے اسے اپنے تبصرے میں شامل کرنا مناسب جانا کیونکہ یہ خلاصہ بھی مصنف کی زیر نظر تیار ہوا تھا ۔ اس میں قرآنی آیات کے حوالے متن یا حاشیے میں موجود ہیں ۔ بعض توضیحات بھی مندرج ملتی ہیں البتہ دیگر منابع محذوف ہیں۔

پہلے ہی باب میں مصنف نے یہ گل افشانی کی ہے کہ حضرت محمدؐ کو (نعوذ باللہ) دور طفلی میں دورے پڑتے تھے ۔ اس لئے بی بی سعدیہ حلیمہؓ انہیں کئی بار ماں کی تحویل میں دینے لائیں ۔ آخر پانچ برس بعد انہیں اس بچے کی نگاہ داشت سے سبکدوشی حاصل ہو سکی ۔ حضرت خدیجہؓ کی آنحضرتؐ سے شادی کے سلسلے میں اس خاتون کے والد آخر تک مخالف رہے ۔ مے نوشی سے ان کے عالم بے خودی میں مراسم عروسی ادا کر دی گئی تھیں ۔ مصنف نے آنحضرتؐ کے اخلاق حسنہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ ان پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ قوت و شوکت مل جانے پر وہ دشمنوں پر سخت گیر اور انتقام جو ہو گئے تھے ۔ اسی ضمن میں وہ لکھتا ہے کہ پیغمبرؐ اپنی دنیوی آرزوؤں کی تکمیل کی خاطر وحی الٰہی کے حوالے دینے (۳۰) لگے تھے ۔ سورہ نجم میں لات، منات اور عزیٰ کی توصیف کے سلسلے میں متن قرآنی کے مشوش اور آلودہ ہونے کے ذکر سے یہ مصنف کیسے باز رہتا وہ اس تبصرے میں مذکور جملوں کو شیطانوں یا کفار کے شور و شغب کی آمیزش نہیں مانتا ۔ اس کے نزدیک یہ کفار کو دی جانے والی مراعات تھیں جو بعد میں منسوخ قرار پائیں ۔ حبشہ سے مسلمان مہاجرین کی مکہ مکرمہ میں مراجعت اس آشتی کا نتیجہ تھی ۔ غنیمت ہے کہ وہ بنو ہاشم کے معاشرتی مقاطعہ کے خاتمہ کو اس واقعہ سے موخر بتاتا ہے ۔ وادی نخلہ میں آنحضرتؐ کی جنوں سے ملاقات اور قرآن حکیم میں جنات کے ذکر کو وہ "مشرقی رومانیت" قرار دیتا ہے ۔ واقعہ اسراء و معراج بھی اس کے نزدیک افسانوی ہے ۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے بارے میں قرآنی آیات اس کے نزدیک "آوردہ و آموختہ" ہیں۔ چنانچہ رومیوں کے ایرانیوں پر غالب آ جانے کی پیشگوئی بھی اس کے نزدیک غیروثنی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اپنی مدنی زندگی میں پیغمبرؐ جنگ و حرب کے رجز خواں بنے

رہے۔ وہ قرآن کی جہاد آموز آیات کا حوالہ دیتا ہے۔ اس کے نزدیک مسلمان غنائم و انفال کے لئے سراپا جنگ بنے رہے۔ چنانچہ معاشی فوائد کی خاطر مسلمانوں نے اہل مکہ کے پر امن قافلہ تجارت پر حملہ کیا جو غزوہ بدر کا پیش خیمہ ثابت ہوا ۔ "اس موقع پر مسلمانوں نے پہلا مال غنیمت حاصل کیا ۔ پہلی بار جنگی قیدی قبضے میں لئے اور پہلی بار خون بہایا" (صفحہ ۸۹)۔

غزوہ بدر پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف کا قلم شرر فشانی کرتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے مدینہ میں شمشیر بے نیام ہاتھ میں لی اور مخالفین اور مزاحمین کو نابود کرنا شروع کر دیا ۔ کمزور ہو یا قوی ' ان پر ایمان نہ لانے والا ہر کوئی غیر ایمن قرار پایا (۳۱)۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کا معمولی نقصان ہوا جب کہ ستر نامور مخالف اسلام کھیت رہے ۔ پیغمبرؐ نے مزید رعب جمایا کہ انہیں خدائی تائید حاصل ہے اور سرکردہ فرشتے جبرئیل ' میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام فرشتوں کی افواج لئے مخالفان اسلام کے خلاف لڑ رہے ہیں ۔ مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو بیان کرتے ہوئے وہ سورہ الانفال کی آیات کا ترجمہ نقل کرتا ہے ۔ وہ قیدیوں سے تاوان لے کر انہیں رہا کرنے کو ظالمانہ کارروائی بتاتا ہے ۔ اور قیدیوں سے تدریس کا کام لے کر انہیں مفت رہا کرنے پر تبصرہ ہی نہیں کرتا ۔ سولہویں باب میں وہ بعض یہودیوں پر سختی کرنے اور انہیں قتل کرنے کے واقعات کی مذمت کرتا ہے ۔

غزوہ احد میں مسلمان تیر اندازوں اور کوہی ناظروں کی جلد بازی اور طمع نے مسلمانوں کی فتح کو شکست کے دھانے پہنچا دیا تھا ۔ مصنف نے ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے ۔ مصنف غزوہ احد کے خدائی تبصرے کے لئے رطب اللسان ہے (سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات) جس میں مسلمانوں کے اضمحلال کی علت اور شہداء کے لئے جزائے اکبر کا وعدہ کیا ہے ۔ غزوہ بدر کی طرح' اس غزوہ میں بھی مسلمان تائید ایزدی سے بہرہ مند رہے مگر انہوں نے فتح کے ثمرات چکھنے میں عجلت دکھائی اور نتیجہ طبعی دیکھ لیا ۔ مصنف غزوہ احد کے تبصرے کو سیاسی ' معاشرتی ' خانگی اور ذاتی امور کا حسین امتزاج قرار دیتا ہے اور یہ ایک غنیمت تجزیہ ہے ۔

اٹھارویں باب میں مصنف یہودان بنو نضیر کے خیبر جلا وطن ہونے پر تبصرہ کرتا ہے۔ رسولؐ خدا کو یہودیوں کو کمزور کرنا تھا ۔ ان کا مقصد یہودیوں کے غنائم حاصل کرنا ' ان کی اراضی پر قبضہ کرنا اور مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر بنانا تھا اس لئے بنو نضیر ' بنو قریضہ اور دیگر قبائل یہود کو

نیست و نابود یا معاشی طور پر بدحال کر دیا گیا۔ وہ سورہ ۵۹ (سورہ الحشر کی ابتدائی آیات) کا حوالہ دیتا ہے کہ یہودی خاص طور پر مورد عتاب بنائے گئے تھے (صفحہ ۱۲۵' ۱۲۶) جن مستشرقین نے نبی اکرمؐ کے تعداد ازدواج کو نہایت ڈھٹائی سے لکھا ہے' ولیم میور ان کے پیشروؤں میں سے ہیں۔ اس کی ہفوات اور بیانات باطلہ کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے۔ متبنیٰ رسول حضرت زیدؓ کا حضرت زینبؓ کو نبی اکرمؐ سے تزویج کی خاطر طلاق دینا' امہات المومنینؓ کا احترام خاص' پیغمبرؐ کی مراعات اور حضرت عائشہؓ کی واقعہ افک سے برات سے متعلق آیات' قرآن' مصنف کے نزدیک دانستہ سخن سازی ہے (باب ۱۹)۔ دریدہ دھن مصنف ان آیات کو شائستگی کے ذریعے پیغمبرؐ کی آزمندی اور حرص و شہوت کا کام دفاع قرار دیتا ہے (نعوذ باللہ' صفحہ ۱۴۰)۔ بنو قریظہ کا قتل اس کے نزدیک بربریت تھی (۱۳۹)۔ کتاب کے ضمائم میں ایک قرآن حکیم اور احادیث کے بارے میں ہے۔

مصنف قرآن اور احادیث کی بتاخیر جمع آوری پر بحث کر کے تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ وحی الٰہی کو تو مانتا نہیں۔ اسلام اس کے نزدیک از اول یا آخر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ ہے۔ حجتہ الوداع میں پیغمبر نے اپنے دین کو تکمیل پر تفاخر کیا ہے (۳ : ۵ المائدہ)۔ وہ اسلام کے عقائد' عبادات اور معاملات پر بحث کرتا ہے۔ وہ عقائد اسلام کے تضادات گنواتا ہے مثلاً" جبر و قدر کے بارے میں۔ اسلام نے غلامی کا تدریجاً" استعمال کیا ہے مگر مصنف کا زعم و گماں یہ ہے کہ یہ دین غلامی کا موید ہے (صفحہ ۲۴۴)۔ اس کے نزدیک عورتوں کی ناموس کی حفاظت اسلام کی عمدہ تعلیم ہے مگر حجاب و پردہ عورتوں کی ترقی اور آزادی میں جارح ہو سکتا ہے۔ (۲۴۵)۔ ضمیمہ سوم اسلام اور مسیحیت کے موازنے اور ربط و ضبط کے بارے میں ہے۔ اسلام عقائد تثلیث کا مخالف ہے۔ اس میں مسیحیت کی رافت و نرمی نہیں۔ مسیحیت تعدد ازواج سے نباہ نہیں کر سکتی مگر اس میں کبھی عورتوں کو تعدد شوہراں سے بھی سابقہ رہا ہے (صفحہ ۲۴۸)۔ مصنف کے خیال میں اسلام عصر ناتوانی میں دینی رواداری کا قائل ہے مگر قوت مل جائے تو مسلمان جبر و اکراہ پر اتر آتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ ان دو ادیان کے بانیوں کی زندگی دیکھ لیں۔ حضرت مسیح " نرمی اور رافت کا مجسمہ تھے جب کہ حضرت محمدؐ قوت و شکوہ کے جویا اور مظہر رہے:

"قرآن خدا کو خالق' حاکم' قیوم' نیک و بد اعمال کا جزا دھندہ اور سمیع الدعا تو بتاتا ہے' مگر

حضرت عیسیٰؑ کا باپ اسے کہیں نہیں بتاتا ۔ مسلمان کے جذبات عبدیت کے خوف سے مملو ہیں ' ان میں بیٹے کی شفقت کا احساس نہیں ملتا ۔ اس دین میں روح القدس کا ہمارا عقیدہ نہیں ملتا اور حضرت مسیحؑ کے مصلوب اور ان کے زندہ کئے جانے کا بھی انکار ہے (۳۲) ۔ پس اسلام میں تصور نجات ملتا ہے اور نہ حضرت مسیحؑ کی محبت خاص ۔ ... حضرت محمدؐ طاقت و قوت کا مظاہر رہے۔ انہوں نے جنگیں لڑیں۔ (بنو قریظہ کے) ایک پورے قبیلے کو انہوں نے قتل کروا دیا۔ وہ اپنا حرم آزاد اور غلام عورتوں سے بھرتے رہے۔ انہوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب سے مستفید ہوکر انہیں تحریف شدہ قرار دے دیا اور اپنے مولد میں ایک نیا دین نافذ کروا دیا۔ انہوں نے یہ سب کچھ الہامات کے سہارے کیا مگر یہ کوئی کارنامہ نہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اس سے متضاد تھی ....." (صفحہ ۲۴۹)۔

کتاب کے آخری ڈیڑھ صفحے میں ایسے ہی فضائل حضرت عیسیٰؑ میں ملتے ہیں۔ ظاہر ہے یہاں مصنف متشکک کم ہے اور متعصب زیادہ۔ اس سے واضح ہے کہ اس کی کتاب کی یہ تلخیص بھی زہرآلود' صفواتی تحقیق کی آئینہ دار اور بغض آمیز ہے۔

۸ - Martian Lings کی کتاب

Muhammad his life based on the earliest sources

جس کے عنوان سے اوپر صلی اللہ علیہ وسلم کے تسلیمی کلمات جلی حروف سے مرقوم ہیں۔ بڑے سائز کے ۳۶۰ صفحات پر مشتمل یہ دیدہ زیب کتاب انگلستان سے ۱۹۸۳ء میں دوبارہ شائع ہوئی ۔ بعد کی اشاعتوں کا راقم کو علم نہیں ۔ یہ کتاب ۸۵ ابواب پر مشتمل ہے ۔ زبان و بیان اور مواد کے اعتبار سے یہ نہایت عمدہ کتاب ہے ۔ اس کے مصنف کو خدا نے مسلمان ہونے کا شرف بخشا اور وہ چند سال پہلے پاکستان بھی تشریف لائے تھے ۔ منابع ' اعلام اور نقشوں کا بھی اس کتاب میں خاص اہتمام ملتا ہے ۔

مصنف کتاب کو بنائے کعبہ سے شروع کرتا ہے ۔ معبد ابراہیمی مرور ایام سے بتکدہ بنا دیا گیا۔ اس مسجد کے متولی قریش تھے۔ ابرہہ نے اس مسجد کو مٹانا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی اس بارگاہ کو بچالیا۔ حلف الفضول کو مصنف صحیح عنوان دیتا ہے۔ پیمان جوانمردی یعنی Pact of chivalry کے بارے میں مصنف نے مستشرقین کی کتب کے بجائے قدیم عربی منابع

سے استفادہ کیا ۔ اس کی طبیعت متوازن اور قلب سلیم تھا جو اسے اسلام کی طرف لے آیا ۔ لہٰذا اس نے سیرت کی یہ کتاب کافی حد تک معروضی اور غیر جانب دارانہ صورت بھی لکھی ہے ۔ اس نے غزوات کو صحیح سیاق و سباق میں پیش کیا ' یہودیوں کے انجام کو ان کی سازشوں کا منطقی نتیجہ بتایا ' پیغمبر اسلام کے متعدد نکاحوں کی مصلحتیں بتائیں اور اسلام کی تعلیمات کی وہ حکمتیں اشارتاً بتائی ہیں جو اس نے مسیر حیات میں پیش کی ہیں اور جنگ و صلح میں اعتدال اور میانہ روی کو اپنایا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اس کتاب کو پڑھیں گے۔ یہ کتاب آنحضرتؐ کے ذکر وصال پر ختم ہوتی ہے اور اس کا اختتامیہ یوں ہے:

"........ رسولؐ خدا دنیا میں اپنا پیغام دے کر عالم عقبیٰ تشریف لے گئے۔ وہ اس جہاں میں بھی اپنا و داد عام کریں گے اور وہاں ارضی محدودیتیں نہیں ہوں گی ۔ یہ کلید رحمت ' کلید جنت ' روح صداقت اور رضائے حق اس عالم میں بھی سرگرم عمل رہے گی :ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما " (۳۴)۔

منابع اور توضیحات

۱۔ مقدمہ میں مذکور صفحہ ۸

۲۔ قرآن مجید ، ملتہ ا بیکم ابراہیم ۷۸ : ۲۲ ۔

۳۔ ایضاً ۳۷ : ۳۳ ۔

۴۔ کتاب زیر تبصرہ (جلد اول) صفحہ ۱۹۷ ۔ ۱۹۸ ۔

۵۔ قرآن مجید ۴۰ : ۲۳ ۔

۶۔ ایضاً ، سورہ الکوثر (۱۰۸) ۔

۷۔ ایضاً ۵۰ : ۳۳ ۔

۸۔ ایضاً سورہ مذکور کی ابتدائی آیات ۔ دیکھیں شبلی نعمانی کی سیرت النبیؐ جلد اول مطبوعہ ناشران قرآن لیمٹڈ اردو بازار لاہور (س ن) صفحہ ۲۲۵ ۔

۹۔ حوالہ قبل صفحہ ۲۲۴ ۔

۱۰۔ تفصیل کی خاطر دیکھیں راقم کی کتاب جاوید نامہ ، تحقیق و توضیح اقبال اکادمی لاہور ۱۹۸۸ء : ارداویراف نامہ۔

۱۱۔ قرآن مجید ۳ : ۶۶ (التحریم) ۔ امہات المومنین میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی طرف اشارہ بتایا جاتا ہے ۔

۱۲۔ کتاب زیر تبصرہ صفحہ ۱۵۹ ۔

۱۳۔ دیکھیں جون ڈیون پورٹ کی اس کتاب کا فلیپ ۔

۱۴۔ کتاب زیر تبصرہ صفحہ ۱۵۴ ۔

۱۵۔ Niebuhr کی کتاب Travels ۔ دیکھیں کتاب زیر تبصرہ صفحہ ۲۱۰ ، ۲۱۱ ۔

۱۶۔ Fenelon

۱۷۔ دیکھیں کتاب زیر تبصرہ کا تعارف از مصنف ۔

۱۸۔ Le Prophete Del Islam مطبوعہ پیرس ۔

۱۹۔ مثلاً ۲۹ : ۳۵ اور ۴۱ : ۲ ۔

۲۰۔ کتاب مذکور زیر تبصرہ صفحہ ۸۷ ۔

۲۱۔ ایضاً صفحہ ۱۲۴ ۔

۲۲۔ ایضاً صفحہ ۲۳۱

۲۳۔ ھٹ کینیڈی کی زیر تبصرہ کتاب صفحہ ۳۷ ۔

۲۴۔ ایضاً صفحہ ۴۸ ۔

۲۵۔ دیکھیں Muhammad at Mecca کے صفحہ X پر مصنف کی وضاحت ۔

۲۶۔ نشریہ معارف اسلامی ، سازمان اوصاف تہران خزاں ۱۹۶۸ء / پائیز ۱۳۴۷ ش : فتوت نامہ عطاریا عا شنی ؟ مقالہ راقم ۔

۲۷۔ ملاحظہ ہو راقم کی تالیف "رومی کا تصور فقر اور دیگر مضامین" میں مقالہ اول مقبول اکیڈمی لاہور۔ ۱۹۹۰ء۔

۲۸۔ Life of Muhomet شائع کردہ Messrs Smith and Elder چار جلد ۱۸۵۸-۱۸۶۱ء۔

۲۹۔ زیر نظر کتاب Darf Publishers limileaf لندن طبع ثانی ۱۹۸۶ء صفحات ۲۵۶۔

۳۰۔ کتاب مذکور صفحہ ۳۵۔

۳۱۔ ایضاً" صفحہ ۱۰۱۔

۳۲۔ ایضاً" صفحہ ۳۴۵۔

۳۳۔ قرآن مجید ۵۶ : ۳۳ (الاحزاب)۔